تصورِ تہذیب

(عصری اور اسلامی نکتۂ نظر)

ڈاکٹر عمر حیات

Marfat.com

تعارف

نام : عمر حیات

تعلیمی قابلیت : پی۔ایچ ڈی (علومِ اسلامیہ)

مصروفیت : درس وتدریس

تخصص : عصری تہذیبی تصادم اور اُمتِ مسلمہ

مشغلہ : نشریات (ریڈیو پاکستان)

مطبوعہ سابقہ : تہذیبِ فکر

پتہ : P-178/2-A(277)، گلی نمبر 6، احمد آباد، فیصل آباد

رابطہ : 0300-7658454

Marfat.com

تصوّرِ تہذیب

(عصری اور اسلامی نکتۂ نظر)

ڈاکٹر عمر حیات

M-355851

مثال پبلشرز

رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، امین پور بازار، فیصل آباد

Marfat.com

R97

142080

جملہ حقوق بہ حق ادارہ محفوظ ©

اشاعت : 2014ء

کتاب : تصوّرِ تہذیب
(مغربی اور اسلامی نکتہ نظر)

مصنف : ڈاکٹر عمر حیات

ناشر : محمد عابد

تزئین : عبدالحفیظ

قیمت : 300 روپے

مطبع : بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور

Tsawwur-e-Tehzeeb

by

Dr. Umar Hayyat

Edition - 2014

اہتمام

مثال پبلشرز رحیم سینٹر پریس مارکیٹ امین پور بازار، فیصل آباد
Ph:2615359 -2643841 Mob:0300-6668284
E-mail:misaalpb@gmail.com

شوروم

مثال کتاب گھر، صابریہ پلازہ، گلی نمبر 8، منشی محلہ، امین پور بازار، فیصل آباد

Marfat.com

ہر اُس ذی شعور کے نام

جو تصورِ تہذیب کی رُوح تک رسائی کا خواہاں ہو!

Marfat.com

فہرست

باب اوّل: تہذیب وثقافت کا مفہوم

☐ ایک مستند کاوِش!	پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	۹
☐ تشکر!	ڈاکٹر عمر حیات	۱۱
☐ مسئلۂ تہذیب	ڈاکٹر عمر حیات	۱۲
فصل اوّل: لغوی واصطلاحی مفہوم		۱۷
☆ لفظ ''تہذیب'' کی لغوی تحقیق		۱۷
☆ لفظ ''ثقافت'' کی لغوی تحقیق		۱۸
☆ اصطلاحی مفہوم		۲۱
☆ ''تہذیب'' اور ''ثقافت'' کے مفہوم میں اختلاف واتصال		۲۵
فصل دوم: تہذیب وتمدن کا ارتقاء		۲۸
☆ آغاز وارتقاء		۲۸
☆ قوموں کا عروج وزوال اور تہذیب		۳۰
فصل سوم: تہذیب اور انسانی رویے		۳۵
☆ تہذیب اور مذہب		۳۵
☆ تہذیب اور اخلاقی وسماجی رویے		۳۷
☆ تہذیبی ورثہ اور معاشرتی رویے		۳۹

Marfat.com

باب دوم: اسلامی تہذیب — مفہوم اور نفسِ مضمون

فصل اوّل : معنی و مفہوم ۴۴

☆ اسلامی تہذیب کا ماخذ و منبع ۴۵

☆ اسلامی تہذیب کا دائرۂ کار ۴۷

فصل دوم : اسلامی تہذیب کی وسعت ۵۰

☆ کاروانِ تہذیب کی راہنمائی ۵۰

☆ اسلامی تہذیب کے دیگر تہذیبوں پر اثرات ۵۴

فصل سوم : اسلامی اور مسلم تہذیب و ثقافت میں فرق ۶۳

☆ مذہب ''ایک جزوِ زندگی''؟ ۶۴

☆ اسلامی تہذیب اور تصورِ سنت ۶۶

☆ اسلامی تہذیب اور تصورِ عبادت ۶۷

☆ دیگر تہذیبوں کے بارے میں اسلامی نکتۂ نظر ۶۸

فصل چہارم : اسلامی تہذیب کے امتیازی اوصاف ۷۴

☆ توحید پرستی ۷۶

☆ اطاعت — قانون کی حکمرانی ۷۸

☆ ضابطۂ حلال و حرام ۸۱

☆ شرم و حیاداری ۸۴

☆ علم و حکمت ۸۶

☆ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ۸۹

☆ اعتدال و توازن ۹۲

☆ احترامِ انسانیت ۹۳

☆ رواداری ۹۷

☆ آفاقیت ۹۹

☆ طہارت و پاکیزگی ۱۰۰

☆ اسلامی تہذیب اور فنونِ لطیفہ ۱۰۱

☆ اسلامی تقریبات و تہوار ۱۰۶

Marfat.com

باب سوم: عصری تہذیب وثقافت کا مختصر جائزہ

فصل اوّل: عصری ثقافت اور عورت ۱۱۹

☆ آزادانہ اختلاطِ مرد وزن ۱۱۹

☆ عورت بطور 'ٹریڈ مارک' ۱۲۲

☆ عریانیت اور جنسی جرائم ۱۲۴

☆ رقص وسرود ۱۳۵

فصل دوم: عصری تہذیب اور فکری انحطاط ۱۴۰

☆ بہبودِ آبادی کا جدید تصور ۱۴۰

☆ منشیات کا استعمال ۱۴۵

☆ اپریل فول (تہوار) ۱۴۸

☆ 'Valentine Day' (تہوار) ۱۵۰

☆ بسنت/جشن بہاراں، میوزک کنسرٹ ۱۵۱

☆ 'وی آئی پی' کلچر ۱۵۸

☆ غلامی اور مغربی تہذیب ۱۵۸

فصل سوم: عصری ثقافت ـــــ چند مزید پہلو ۱۶۵

☆ عرس تقریبات ۱۶۵

☆ سپورٹس کلچر ۱۶۸

☆ ثقافت کے فروغ کے لیے قائم سرکاری تنظیمیں ۱۷۰

☆ عصری/مغربی تہذیب کا تاریخی پس منظر ۱۷۱

Marfat.com

ایک مستند کاوِش!

یہ بات خوشی کا باعث اور اچھے مستقبل کی نوید ہے کہ ہمارے اہلِ فکر و دانش اہم قومی معاملات اور مسائل پر قلم اُٹھانے لگے ہیں اور اپنے نتائج تحقیق و تدبر سے اہلِ وطن کی رہنمائی کرنے کے ساتھ ساتھ معاصر دُنیا سے داد و تحسین حاصل کر رہے ہیں، یہ کوششیں اور یہ نتائج، زندگی بلکہ سرگرم زندگی کا پتہ دیتے ہیں جو ہمارے لیے اُمید افزا ہیں۔ ڈاکٹر عمر حیات کی کاوش ''تصورِ تہذیب: عصری اور اسلامی نکتۂ نظر'' بھی اسی ضمن میں آتی ہے۔ اپنی اس کتاب میں انہوں نے قومی اور بین الاقوامی سطح کے نئے اور پرانے اہلِ علم کے افکار سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کے ساتھ ساتھ اپنے موضوع سے متعلق اصطلاحات کی وضاحت میں عربی اور انگریزی کتب سے بھی اِستفادہ کیا ہے۔ ان کی یہ کوشش مستند اور معتبر ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہماری درسگاہوں کے اساتذہ اور طلبہ پوری سہولت اور اعتماد کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی اس مدلل اور جامع کوشش سے مستفید ہوں گے۔

فاضل مصنف نے مشرق و مغرب کے مسلم اور غیر مسلم فضلاء سے اِستفادہ کرنے میں بھی کوئی تفریق یا تردّد محسوس نہیں کیا۔ کتاب و سنت اور ان کی تفاسیر و شروح سے بھی اِستفادہ و استناد کیا ہے، یوں یہ کتاب ایک مستند تحقیقی حوالہ بن گئی ہے۔ انہوں نے مغرب کے بعض معاندین کے اس خیال کو بھی بجا طور پر باطل قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کا انسانی تہذیب اور تمدن میں تو کوئی حصہ نہیں ہے، یہ خیال سراسر بے بنیاد اور محض خام خیالی ہے۔ مسلمانوں نے تو نہ صرف یہ کہ تہذیب و تمدن کو بامِ عروج تک پہنچایا بلکہ قدیم یونانی تہذیب کا بھی تحفظ کیا ہے۔ آج ارسطو اور افلاطون کی تصانیف کی یونانی

Marfat.com

اصل مفقود ہے، ان کے صرف عربی ترجمے موجود ہیں۔ انسانیت پر مسلمانوں کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے تہذیب وتمدن کے قافلے کو نئے راستے بھی سجھائے ہیں اور پرانے ورثہ کا تحفظ بھی کیا ہے۔ اگر الکندی، ابنِ سینا اور ابنِ رُشد نہ ہوتے تو فکر وفلسفہ اور تہذیب وتمدن کا بہت بڑا یونانی ورثہ ضائع ہو چکا ہوتا۔ ان مسلم مفکرین نے یونان کے سرمایۂ علم وفکر اور تہذیب وتمدن کو محفوظ کر کے دُنیا تک پہنچایا اور قیمتی اضافوں کے ساتھ تہذیب وتمدن کی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں، جن سے انکار حقیقت سے انکار اور احسان فراموشی کے مترادف ہے۔

جدید مغربی اور قدیم یونانی و رومن تہذیب کے درمیان ایک ہزار سال سے بھی زیادہ مُدّت حائل ہے۔ یورپ اِس ہولناک خلا کا قائل ہے! یونانی قافلۂ تہذیب کے لُٹ جانے کے بعد یورپ صدیوں تک تاریکیوں میں ڈوبا رہا اور اسی لیے ان صدیوں کو قرونِ مظلمہ کا نام دیا جاتا ہے۔ مگر فکر وتہذیب کا قافلہ رواں دواں رہا جس کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی۔ اِس ضمن میں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں بہت گراں قدر اور نفع بخش اور اقوامِ عالم کی تہذیبوں پر برتری واضح ثبوت ہیں۔ یورپ کا انصاف پسند طبقۂ فکر اِس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے۔

یونان یا معاصر مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کا تقابلی مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ اوّل الذکر دونوں تہذیبیں خود غرضی، استحصال اور انسانیت دُشمنی کی علمبردار ہیں اور زیادہ سے زیادہ مادی منفعت سمیٹنے کی قائل ہیں۔ غریب نوازی کے بجائے غریب کُشی پر آمادہ کرتی ہیں۔ جب کہ اسلامی تہذیب کی بنیاد انسان دوستی ہے جو انسانیت نوازی، غریب پروری، انسانی برادری اور اسلامی اخوت کی علمبردار ہے۔ شرم وحیاداری، علم پروری، طہارت وتقویٰ اور حقیقت تک رسائی کی جستجو بھی اسلام کی عطا ہے اور یہی وہ اوصاف ہیں جو اِنسانیت کا لازمہ ہیں۔ اسلامی تہذیب انہی اوصاف کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔ اس کے برعکس مغربی تہذیب کا تصوّر اِن اوصاف سے تہی دامن ہے۔

ڈاکٹر عمر حیات نے اس کتاب میں تہذیب وتمدن کا مستند اور جامع مفہوم بیان کرتے ہوئے مغربی وعصری اور اسلامی تصوّرِ تہذیب کا مدلل تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ڈائریکٹر ہجویری چیئر

پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

Marfat.com

تشکر!

شکرگزار ہوں اساتذہ کرام کا جن کی توجہ اور شفقت کے سائے میں مجھے بھی بحرِ علم و آگہی سے کچھ نایاب موتی تلاش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی!

بہت شکریہ صاحبانِ تحقیق و تدقیق کا جن سے میں نے براہِ راست یا بالواسطہ اِستفادہ کیا!

رحمٰن و رحیم وحدہٗ لاشریک ذات اُن سب کو ہمیشہ اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے اور جزائے خیر سے نوازے!

ڈاکٹر عمر حیات

Marfat.com

مسئلۂ تہذیب

اِنسان کا اعزاز ہے کہ یہ بہت ممتاز ہے۔ دوسری تمام مخلوقات پر اِسے ہمہ پہلو برتری حاصل ہوئی، یہاں تک کہ خالقِ کائنات نے اِسے جنّ وملک سے بھی زیادہ نوازا، احسنِ تقویم پر پیدا کیا اور اشرفِ مخلوقات قرار دیا۔ اِنسان کے حوالے سے فرشتوں کو خدشہ تھا کہ یہ روئے زمین پر خطرے اور فساد کا باعث ہوسکتا ہے جس کا انھوں نے بارگاہِ ایزدی میں اظہار بھی کیا تھا جب کہ یہ ابھی معرضِ وجود میں بھی نہیں لایا گیا تھا۔ تاہم اِس پر اللہ وحدہ لاشریک کا یہ فرمانا کہ ''اِنّی اَعْلَمُ مَالَاتعلمون'' بہت معنی خیز تھا۔ اگرچہ فرشتوں نے اِس پر کوئی وضاحتی سوال نہیں عرض کیا تھا کہ کیوں اور کیسے؟ مگر جب اِنسان وجود پذیر ہوا، اور علمی میدان میں ملائکہ پر بازی لے گیا تو انھیں بڑی حد تک اِس سوال کا جواب مِل گیا تھا۔ جب کہ بعد میں رُونما ہونے والے اِنسانی احوال وآثار اسی سلسلے میں وضاحت در وضاحت فراہم کرتے چلے گئے کہ اِنسان کا معاملہ ممتاز ومنفرد بھی ہے اور عجیب وغریب بھی جو نشیب وفراز کے متضاد امتزاج سے عبارت ہے۔

اِس نشیب وفراز یا عروج وزوال کا اپنا اپنا پس منظر ہے۔ اِنسان کی فکری صلاحیتیں جب الہامی ضابطہ ہدایت سے فیض یاب ہوئیں تو جلا اور فروغ پا گئیں اور حُسنِ سیرت وکردار کا باعث ثابت ہوئیں اور انسان سرخ رُو وسرفراز ہوا۔ جب کہ انحراف کی صورت میں فساد برپا ہوا، اور تاریخِ انسانی میں ذلت وزوال کی داستان رقم ہوئی۔ گویا انسان کے مجموعی کردار میں بنیادی مسئلہ فکر کا ہے۔ چنانچہ الہامی ہدایت اور تعلیمِ نبوت میں یہی مسئلہ بنیادی حیثیت کا حامل قرار پایا اور اِنسان تہذیب وتمدن

Marfat.com

کے تصوّر سے آشنا ہوا۔

تصوّرِ تہذیب اِنسانی معاشرے کے قدیم تصوّرات میں سے ہے جو تاریخ انسانی کے ساتھ ساتھ مختلف ارتقائی مراحل میں سے گزرتے ہوئے زمانۂ حال تک پہنچ گیا۔ ہر دور میں اِس کی تفہیم و تعلیم کا سلسلہ جاری رہا اور اہلِ فکر و دانش اپنے اپنے نکتۂ نظر سے تہذیب کا تصوّر پیش کرتے رہے۔ کسی نے اِس سے انسانی رہن سہن مراد لیا اور کسی نے فنونِ لطیفہ کو تہذیب کا نام دیا، جب کہ کسی نے اِسے فکری اِرتقاء سے تعبیر کیا۔ اپنی نوعیت اور رُوح کے اِعتبار سے تہذیب کا تصوّر بنیادی اہمیت کا حامِل ہے جو وسیع تر اور ہمہ جہت ہے اور اِسے اِس کے صحیح تر تناظر میں سمجھنا اور پیش کرنا اس تصوّر کا اہم عصری تقاضا ہے۔

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنٰی شاخ تراشی اور کاٹ چھانٹ ہے۔ مثال کے طور پر پودوں اور درختوں وغیرہ کی کاٹ چھانٹ یا بالوں کی تراش خراش، جس کا مقصد خوب صورتی، سجاوٹ اور دِل کشی پیدا کرنا ہوتا ہے۔

تہذیب محض ایک لفظ نہیں، ایک وسیع تر اِصطلاح اور جامع تصوّر ہے اور اِس کا تعلق کسی شجر و حجر کی تراش خراش اور اُس کی آراستگی سے نہیں بلکہ اِنسان سے ہے۔ اس کے لغوی معنٰی میں پوشیدہ حکمت کا اِنکشاف اِصطلاح میں اِنسان کے حوالے سے ہوتا ہے اور تہذیب کا مقصد انسانی کردار کی تراش خراش یعنی اِصلاح و شائستگی متعین ہوتا ہے۔ اِس سلسلے میں کارفرما بنیادی محرک کوئی مخصوص نکتۂ نظر اور زاویۂ فکر ہوتا ہے جو اِصلاحِ کردار کے حوالے سے بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ گویا تہذیب اُن افکار و نظریات اور عقائد کا نام ہے جن سے اِنسان کے اخلاق و کردار میں پاکیزگی، شائستگی اور اِصلاح پیدا ہو سکے۔ ''تہذیب'' کے نتیجے میں جو کچھ ظہور پذیر ہوتا ہے اُسے تمدن یا ثقافت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسئلۂ تہذیب حیاتِ انسانی کا بہت اہم اور حساس مسئلہ ہے جو ہر دور کے اِنسان کا مسئلہ ہونے کے ناتے عصری مسائل میں سرفہرست ہے۔ ہر دور میں تہذیب کے عَلم بردار پیدا ہوتے رہے ہیں اور علمائے تہذیب اِس مسئلے کو اُجاگر کرتے رہے ہیں۔ اقوامِ عالم کے درمیان آپس میں اِختلافات پیدا ہوئے جس کی بنیاد فکری اختلاف بنا۔ چنانچہ مختلف مفکرینِ تہذیب نے اپنے اپنے نکتۂ نظر سے اس اِصطلاح و تصوّر کی تعریف (Definition) بیان کی اور اِسے اپنے اپنے

Marfat.com

انداز میں پیش کیا۔اس بنا پر یہ کہنا بے جا نہیں کہ مسئلہ تہذیب اقوامِ عالم کے درمیان متنازعہ رہا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ہر قوم دوسری قوم سے الگ تھلگ تہذیبی اقدار و روایات کا دعویٰ کرتی ہے۔ یہ اختلافِ تہذیب اگر بڑھ جائے تو مخصوص حالات میں شدید اور خطرناک رجحان کی شکل اختیار کر سکتا ہے جو تہذیبی تصادم کے عنوان سے تعبیر ہوتا ہے۔تہذیبی تصادم کے انتہائی خوف ناک نتائج پر تاریخ عالم گواہ ہے۔ عالمِ انسانیت کے لیے اِس صورتِ حال سے نجات ضروری ہے۔ اِس مسئلے کا واحد قابلِ عمل حل تلاش کرنا ہوگا۔ یقیناً اِس کے لیے دیانت داری اور حقیقت پسندی کی ضرورت ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا تہذیبوں کی دُنیا کو مشترک پلیٹ فارم میسر آ سکتا ہے؟ اور تلاش اس حقیقت کی ہے کہ کون سا تصوّرِ تہذیب سب سے زیادہ حقیقت پر مبنی اور اپنے حقیقی معنی و مفہوم سے قریب تر ہے۔

تصوّرِ تہذیب کے حوالے سے حقیقت کی تلاش میں فطرت، عقل اور عدل کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے تا کہ مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو سکے۔توجہ اِس اَمر پر مرکوز کرنے کی ضرورت ہے کہ تہذیب سے مراد تہذیبِ نفس و تہذیبِ فکر ہے جس کے اثرات اِنسان کے ظاہری کردار و عمل پر مرتب ہوتے ہیں تو اُس کے مہذب ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب کردار کی اِصلاح ہوتی ہے تو وہ ان فطری اوصاف سے متصف نظر آتا ہے جو اوصافِ حمیدہ کہلاتے ہیں مثلاً حیاداری، پرہیز گاری، صداقت بیانی، حُسنِ سلوک، حمایتِ حق اور لغویات و فضولیات و بے ہودیات سے اجتناب وغیرہ وغیرہ جیسے اوصاف جو انسان کے حوالے سے فطرت کا لازمی تقاضا ہے۔ اِنسان انہی اوصاف سے متصف ہو کر مقاصدِ فطرت کی نگہبانی کے قابل ہوتا ہے اور قابلِ اعتبار و باوقار ٹھہرتا ہے۔ایسا ہی شخص مہذب کہلانے کا حق دار ہے۔

ضرورت اِس اَمر کی بھی ہے کہ تہذیب کا من مانا مفہوم متعین نہ کیا جائے بلکہ اِس میں مضمر لُغوِیَّتْ کا ہر قیمت پر لحاظ رکھا جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ علمی اِصطلاحات و تصوّرات بلا لحاظ سب کے لیے قدرِ مشترک ہیں جن کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ ان کے تعریف و مفہوم پر اِتفاق کیا جائے، رات کو رات اور دن کو دن کہنا ہی ہوش مندی کی دلیل ہے۔

سچائی کی راہ پر چلنے کے لیے حق و صداقت کے حقیقی سرچشمے کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ باطل کے ساتھ وابستہ رہ کر سچائی کی علمبرداری کا دعویٰ محض خود فریبی اور ہٹ دھرمی ہے۔حیاداری کی

Marfat.com

صفت سے انسانیت فروغ پاتی ہے۔فحاشی وعریانی کا مظاہرہ کرنے والے کو کیوں کر حیادار کہا جا سکتا ہے! گندگی اور غلاظت سے طہارت و پاکیزگی کا حصول ممکن نہیں۔ایسے نظریات وعقائد جن سے فکری بحران پیدا ہو جائے اور اِنسان اعلیٰ وارفع اِنسانی اوصاف، اقدار اور روایات سے محروم ہو جائے، تہذیب کے حقیقی مفہوم سے متصادم ہیں۔ باطل اور فرسودہ افکار تہذیب نہیں کہلا سکتے۔اگر چہ ہر قوم کو اپنی الگ تہذیب کا دعویٰ ہے جس سے اُس کی ثقافت کا تعین ہوتا ہے مگر ضروری نہیں کہ ہر قوم کی ''تہذیب'' تہذیب کے حقیقی مفہوم سے ہم آہنگ بھی ہو، اگر چہ وہ قوم ایسا سمجھتی ہو! تصوّرِ تہذیب کے پس منظر میں دراصل دو طرح کی فکر کارفرما ہوتی ہے۔محض مادی فکر اور مادہ ورُوح کے امتزاج پر مبنی فکر۔

مادی فکر کا محور صرف مادیت پسندی، مادہ پرستی اور ظاہریت ہوتا ہے جو مادی و دُنیوی فائدے کی خاطر کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا روا قرار دیتی ہے اور اِس طرح مادی فکر و فلسفے کی رُو سے حلال وحرام کا ضابطہ بڑی حد تک بے معنی ہو جاتا ہے، جب کہ انسانی زندگی کے لیے ضابطۂ حلال وحرام بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔مگر مادیت زدہ فکر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتی ہے اور معاشرہ ہمہ پہلو انتشار وافتراق کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔آزاد خیالی (Liberalism) اور روشن خیالی (Enlightenment) جیسے جدید تصوّرات کی بنیاد مادی فکر ہی ہے جو انسانیت کے حوالے سے ضروری اخلاقی پابندیوں کو بے جا قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ روشن ضمیری کی بجائے ظاہری چکا چوند نظروں کو خیرہ کرتی ہے اور اِنسانی فکر اصل حقیقت تک رسائی پانے سے قاصر رہتی ہے۔یہی مادی فکر قدیم وجدید مغربی تہذیب ومعاشرت کا سرچشمہ ہے جس کے اثرات ہر خاص وعام پر عیاں ہیں۔مخلوط مجالس، رقص وسرود اور عریانی کے مظاہرے تہذیبی فساد کے آئینہ دار ہیں جو مفکرینِ تہذیب کے لیے لمحۂ فکریہ ہیں۔

صاحبانِ فکر ودانش کے لیے تقاضائے فطرت کی رُو سے اصل دعوتِ فکر یہ ہے کہ اِنسان کو حیوان کی مانند مادر پدر آزاد مخلوق کے طور پر پیش نہ کیا جائے بلکہ اِس کی آدمیّت اور اِنسانیت پر روشنی ڈالی جائے اور اِسے ایسی مخلوق کے طور پر پیش کیا جائے جس کا مقصدِ حیات اپنے خالق کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کو شعوری طور پر قبول کرنا اور اُس کے حضور سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے زندگی گزارنا ہے۔فطرت کے اِس اصول پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے کہ مخلوق کے لیے

Marfat.com

بہترین ضابطۂ ہدایت صرف خالقِ برحق کا عطا کردہ ضابطہ ہی ہوسکتا ہے کیونکہ خالق سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا کہ اُس کی مخلوق کے تقاضے کیا ہے؟ مخلوق کے بہترین مفاد میں کیا ہے اور کیا کچھ اس کے لیے نقصان دہ اور خطرناک ہے جس سے بچنا لازم ہے! انبیائے کرام علیہم السلام نے تاریخِ انسانی کے ہر دور میں نسلِ انسانی کو خالقِ کائنات کی مشیت سے آگاہ کیا اور بنیادی طور پر اس فکر کو فروغ دیا کہ انسان کی حقیقی ترقی کے لیے اس کے ظاہری و باطنی یعنی مادی اور رُوحانی دونوں طرح کے تقاضوں کا سامان لازم ہے، جس کا کما حقہٗ اہتمام صرف الہامی ضابطۂ ہدایت میں ہے۔ مشیتِ ایزدی کے مطابق الہامی سلسلۂ ہدایت کا آغاز روزِ ازل سے ہوا جو انسان کے زمین پر اُترتے ہی نافذ العمل ہو گیا اور اللہ ہی کے فیصلے کی رُو سے ختم الرسل ذات ﷺ پر مکمل ہو کر قیامت تک آنے والے انسانوں پر واجب العمل قرار دے دیا گیا۔

لازم ہے کہ انسان ''اِنّی اَعْلَمُ مالا تعلمون'' میں مضمر حکمت اور پیغام کو سمجھنے کی پرخلوص فکری و علمی کوشش کرے اور دل سے اعتراف کر لے کہ تصورِ تہذیب جب تک حقیقی سرچشمۂ علم و حکمت اور منبعٔ رُشد و ہدایت کی بنیاد پر ترتیب و تشکیل نہیں پاتا، مقصدِ تہذیب پورا نہیں ہوسکتا۔ اللہ کرے کہ ہمارے زاویۂ فکر کو درست رُخ مِل جائے اور کردار و عمل مقصدِ فطرت سے ہم آہنگ ہو جائے!

ڈاکٹر عمر حیات

Marfat.com

باب اوّل

لغوی واصطلاحی مفہوم

لفظ تہذیب کی لغوی تحقیق

''تہذیب'' عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کا مادہ ''ہ،ذ،ب'' ہے، جس کا معنی کسی چیز کو درست کرنے کے لیے اس کی کاٹ چھانٹ اور تراش خراش کرنا ہے۔

''القاموس المحیط'' میں اِس لفظ کی لغوی تشریح یوں کی گئی ہے:

(هَذَّبَهٗ) يُهَذِّبُهٗ هَذْبًا:قَطَعَهٗ وَنَقَّاهُ وَاَخْلَصَهٗ وَاَصْلَحَهٗ وَالنَّخْلَةَ نَقَّى عَنْهَا اللِّيْفَ وَالشَّيْءُ سَالَ وَالرَّجُلُ وَغَيْرُهٗ هَذْبًا وَهَذَابَةً اَسْرَعَ كَاَهْذَبَ وَاَهْذَبَتِ السَّحَابَةُ مَاءُهَا اَسَالَتْهُ بِسُرْعَةٍ۔''(۱)

ترجمہ: (اس نے کسی شَے کی کاٹ چھانٹ کی، اسے صاف کیا، خالص کیا اور درست کیا، کھجور کا چھال سے صاف کرنا، کسی شے کا بہہ جانا، آدمی کا مہذب ہونا اور هَذَابَةً اَسْرَعَ، اَهْذَبَ کی مانند ہے (جلدی سے بہہ جانا) بادل نے تیزی سے اپنا پانی بہادیا)

بہہ جانے سے کسی چیز کا خالص یا پاک ہونا مراد ہے، جیسے بارش برس جانے سے خالص بادل رہ جاتا ہے۔فاسد مواد بہہ جانے سے زخم وغیرہ صاف ہو جاتا ہے۔

''المعجم الوسیط'' میں اس لفظ کی لغوی بحث کے ذیل میں تحریر ہے کہ:

''(هذب) القوم، هذبانقاه واخلصه واصلحه، ويقال هذب النخله۔۔۔ نقى عنها الليف (اهذب) يقال اهذب الانسان فى مشيهٖ، والفرس فى عدوه والطير فى طيرانهٖ۔

Marfat.com

(هَذّب) النخلة خَلّصَه مِمّا يشينه عند البلغاء۔ ويُقالُ هَذَّبَ الكتاب (هَذَبَ) الشَیء صَار مُهَذَّباً۔"(۲)

ترجمہ: (هذب) القوم هذباً: اس نے قوم کو صاف ستھرا کیا، اس کو خالص کیا، اس کی اصلاح کی، (اس کو درست کیا) اور کہا جاتا ہے: هذب النخلة، اس نے کھجور سے چھال صاف کی۔

(هذب) النخلة: اس نے کھجور کو اس چیز سے جو اسے عیب دار بناتی تھی خالص کیا۔ یہ معنیٰ بلغاء کے ہاں پایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: اس نے کتاب کی کاٹ چھانٹ کی، چیز کو خالص کر دیا، وہ مہذب ہوا۔ (وہ خالص ہوا)

گویا یہ لفظ بہت سے معانی کا حامل ہے تاہم اس کے تمام تر لغوی معانی میں قدر مشترک کاٹ چھانٹ، اصلاح و درستگی اور توازن پیدا کرنا، پائی جاتی ہے۔ لفظ ''تہذیب'' باب تفعیل سے ہے یعنی کسی چیز کو بتدریج اور مرحلہ وار درست کرنا، بہتر بنانا اور خالص کرنا۔

عربی کی مشہور لغت ''الرائد'' میں ''هذب'' کا درج ذیل معنی بیان کیا گیا ہے۔

''تهذّب: كان هذبا، صار مهذباً۔'' (یعنی مہذب یا شائستہ ہونا)(۳)

فیروز سنز لمیٹڈ کی اردو انگریزی لغت میں ''تہذیب'' کے مندرجہ ذیل لغوی معانی درج ہیں:

"تهذيب : Purifying, Adorning, Refinement, Polish, Edification, Civilization, Politeness."(4)

لفظ ''ثقافت'' کی لغوی تحقیق

''ثقافت'' بھی عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ''ث ق ف'' ہے۔ لغوی طور پر اس سے مراد کسی شے، مقام، شخص یا مقصد کو تلاش کر لینا یا پا لینا ہے۔ قدیم عربی زبان و ادب اور قرآنِ حکیم میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآنِ حکیم میں درج ذیل مقامات پر یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔

۱۔ "وَاقتلوهم حَيثُ ثَقِفتموهم"(۵)

ترجمہ: (فساد پھیلانے والوں کو جہاں بھی پاؤ انھیں مارو)

۲۔ "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَاثُقِفُوْآ اِلَّابِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ"(۶)

ترجمہ: (ان (یہودیوں) پر ذلت مسلط کر دی گئی وہ جہاں بھی پائے گئے سوائے اس کے کہ وہ اللہ

Marfat.com

اور مسلمانوں کی پناہ میں آ جائیں)

۳۔"فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ"(۷)

ترجمہ: (ان شر پسندوں کو پکڑو اور جہاں بھی پاؤ مارو)

۴۔"فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ۔"(۸)

ترجمہ: (اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انھیں ایسی سزا دو کہ ان کے پیچھے والے دیکھ کر بھاگ جائیں)

۵۔"مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا۔"(۹)

ترجمہ: (پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مار ڈالے گئے)

۶۔"إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً۔"(۱۰)

ترجمہ: (اگر یہ کافر تم پر قدرت پالیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں)

القاموس المحیط کے مطابق "اَلثَّقَافَةُ" باب "كَرُمَ يَكْرُمُ" اور "فَرِحَ يَفْرَحُ" سے مصدر کا صیغہ ہے اور ثاقِف، حاذِق، خفیف اور فطین کے معنی دیتا ہے۔

"ثَقُفَ كَكَرُمَ وَفَرِحَ ثَقْفًا وَثَقَفًا وَثَقَافَةً صَارَ حَاذِقًا خَفِيفًا"(۱۱)

"مصباح اللغات" میں ابواب "سَمِعَ يَسْمَعُ" اور "كَرُمَ يَكْرُمُ" کے اوزان کے تحت "ثَقَفُ" اور "ثقف" نیز "نَصَرَ" کے تحت "ثَقَفَ" سے مراد زیرک ہونا، پا لینا، کامیاب ہونا اور دانائی میں غالب ہونا، لیا گیا ہے، جبکہ "ثَقَّفَ" سے تعلیم دینا اور مہذب بنانا مُراد لیا گیا ہے۔ اسی طرح "ثاقف" اور "تثاقفا" کے الفاظ کو ہتھیاروں سے باہم کھیلنے، باہم جھگڑا کرنے اور دانائی میں ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنے کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔

عربی زبان میں "الثقیف" کا لفظ بہت زیرک اور چالاک شخص کے لیے بولا جاتا ہے۔ جبکہ "ثِقّیفُ" سے مراد ہے بہت زیادہ تُرش سرکہ۔(۱۲)

"عربی انگریزی لغت "القاموس المدرسی" میں "ثقافت" کے لغوی معنی یوں ملتے ہیں:

"ثَقَفَ :	كان حاذقا	To be Sagacious.
ثَقَّفَ :	هَذَّب	To Educate.
تَثْقِيفٌ:	تَهْذِيبٌ	Education.
مُثَقَّفٌ :	مُهَذَّبٌ	(13)"Educated.

"ثقافت" کے لیے تہذیب و تمدن کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں، جو بذاتِ خود عربی

Marfat.com

زبان کے الفاظ ہیں ''تہذیب'' کا معنی خوبصورت بنانا، آراستہ کرنا اور کاٹ چھانٹ کرنا ہے، جیسا کہ کسی پودے کو خوبصورت بنانے کے لیے اس کے اردگرد سے فالتو جڑی بوٹیوں کو تلف کیا جاتا ہے اور اس کی بے ہنگم شاخوں کی تراش خراش کی جاتی ہے۔ جبکہ تمدن سے مراد شہر بسانا اور شہری و معاشرتی زندگی اختیار کرنا ہے۔

عربی لغت ''لاروُس'' میں ''تمدن'' کے درج ذیل معنی بیان کیے گئے ہیں:

''تمدن، تمدّناً: تخلق بأخلاق اهل المدن، انتقل مِنَ الهمجيةِ اِلى حالةِ الرّقى والحضارة''

التمّدُن: الاخذ بأسباب الحضارة وَاساليبها۔''(۱۴)

ترجمہ: (تمدّن ، تمدّناً) اس نے شہر والوں کی عادات اختیار کیں، وہ بدانتظامی سے ترقی اور حضارت (شہر کی اقامت، تہذیب) کی طرف منتقل ہوا۔

التمدّن: حضارت کے اسباب اور اس کے اسالیب اختیار کرنا۔

انگریزی عربی لغت ''المورد'' میں ''Civilization'' کے درج ذیل معنی بیان ہوئے ہیں۔

''Civilization: الحضاره المدنية، التمدن، الشعوب المتحضره

رفعة فى الذوق لوالتفكير اوالتصرف۔''

''Civilized: متحضر ، متمدّن، لطيف، مهذب''(۱۵)

اسی لغت میں ''Culture'' کا معنی ''تثقيف ، تهذيب، ثقافة ، حضارة'' بیان ہوا ہے۔(۱۶)

''قومی انگریزی اُردو لغت میں لفظ ''Civilization'' کے درج ذیل لغوی معانی مُراد لیے گئے ہیں:

''تمدن ، مدنیت، تہذیب و تمدن، اصلاح، تربیت، درستی، انسانیت، شائستگی'' اسی طرح ''Civilize'' سے مہذب بنانا، وحشی حالت سے باہر لانا، نظم و ضبط اور شہری تنظیم قائم کرنا'' مراد لیا گیا ہے۔''(۱۷)

اگرچہ تہذیب اور ثقافت کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے اور ہر لفظ اپنے لغوی جبکہ ہر اصطلاح اپنے وضعی مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔ تاہم اصطلاحی مفہوم میں لغوی مفہوم بہر حال موجود ہوتا ہے اور ان دونوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ہی جامع اصطلاحی مفہوم کا تعین ہوسکتا ہے، جس طرح ایک لفظ کے لغوی طور پر مختلف معانی ہو سکتے ہیں، اسی طرح حالات و واقعات

Marfat.com

کی مناسبت سے اہلِ علم وادب کسی لفظ کے اصطلاحی مفہوم کو بھی مختلف انداز ہائے فکر سے ''Apply'' کر سکتے ہیں۔ چنانچہ لفظ ثقافت یا کلچر یا تہذیب وتمدن کی اصطلاح بھی ایک ایسی ہی جامع اور مختلف المعانی اصطلاح ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں کہ:

''کلچر بھی ایک ایسی ہی اصطلاح ہے جس کی اہلِ علم ودانش نے مختلف قسم کی بیسیوں تعریفیں کی ہیں۔ کلچر کے لیے عربی اور اردو میں ''ثقافت'' کی اصطلاح عصرِ حاضر کی پیداوار ہے۔''(۱۸)

اصطلاحی مفہوم

لفظ ''ثقافت'' اور اس کے تمام تر مترادفات مثلاً ''تہذیب وتمدن'' ''Civilization'' اور ''Culture'' وغیرہ کے لغوی معنی ومفہوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کا جو اصطلاحی مفہوم سامنے آتا ہے، وہ ایسے افکار ونظریات پر مشتمل ہے، جن سے انسان کی معاشرتی زندگی مجموعی طور پر روحانی، اخلاقی اور مادی لحاظ سے تہذیب وشائستگی اور اصلاح وفلاح سے ہمکنار ہوتی ہے اور مسلسل ارتقاء کے عمل سے گزرتی ہے۔ فرانسس بیکن (برطانوی مفکر) نے بھی ثقافت کو اسی مفہوم میں پیش کیا ہے۔ اس کے نزدیک کلچر کے مفہوم میں ایسی وسعت پائی جاتی ہے کہ وہ کل روحانی مثلاً علمی، دینی اور اخلاقی صورتوں کو محیط ہو سکتا ہے۔ نیز اس میں انسان کی مادی، ذہنی اور علمی ترقی کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔(۱۹)

منشی عبدالرحمٰن خان ثقافت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ثقافت پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ یہ زندگی کی کلیت تہذیب، تمدن، معاشرت، معاملات اور طرزِ زندگی کا نام ہے۔ اس میں رہن سہن سب شامل ہے۔ غیر مسلموں کے نزدیک بھی ثقافت راگ ورنگ کا نام نہیں۔ ہندوستان کے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے غیر مسلم سیکرٹری مسٹر سموئل متھائی کے قول کے مطابق ''ثقافت محض گانے اور ناچنے کو ہی نہیں کہتے، ثقافت زندگی کے سارے کاروبار کا نام ہے۔''(۲۰)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''متمدن زندگی میں جسے کسی قوم یا ملت کی ثقافت کہا جاتا ہے، وہ اس قوم کی علمی، فکری، تخیلی، تخلیقی، تاریخی، اخلاقی، مذہبی اور ذہنی وروحانی ترقیات وفتوحات کا نچوڑ حاصل ہوتا ہے۔''(۲۱)

Marfat.com

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لفظ ''Civilization'' کے ذیل میں تحریر ہے کہ:

"The word civilization was used early in the 19th century in its now familiar sense, reffering to the aggregate of characteristics displayed in the collective life of an advanced people or an historic period as, for instance, Greek at the time of "pericles." But the term Civilization could be used, as it was by Tylor, to refer to the total achievements of the most "advanced" People to date as if civilization were a uniliner development out of the past with "lesser" peoples at different stages of that development."(22)

ترجمہ: (ترقی یافتہ لوگوں کی اجتماعی زندگی یا تاریخ کے کسی دورانئے میں مجموعی خصوصیات کے ظہور کے حوالے کے طور پر انیسویں صدی کے اوائل میں ''Civilization'' کا لفظ اپنے موجودہ مفہوم میں استعمال ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر ''Pericles☆'' کے عہد میں یونان کی تہذیب، لیکن جیسا کہ Tylor نے کہا کہ Civilization کی اصطلاح ترقی یافتہ ترین لوگوں کے تاحال مجموعی کارہائے نمایاں کا حوالہ دینے کے لیے بھی استعمال ہوسکتی ہے جیسا کہ اگر تہذیب کم لوگوں کے ذریعے ترقی کے مختلف مراحل میں ماضی سے ہٹ کر یک سمتی ہو)

ڈاکٹر خالد ظفر اللہ تہذیب وتمدن کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ چاروں لفظ (تہذیب وتمدن یا ثقافت وکلچر) معمولی اصطلاحی فرق کے باوجود باہم مترادف معنوں میں مستعمل ہیں۔ ان کے مفہوم میں کسی قسم کے عقائد ونظریات کی بنیاد پر اختیار کردہ مذہبی، اخلاقی، سماجی رویے اور معاشرتی، معاشی و سیاسی طرزِ زندگی شامل ہے۔ سماجی علوم کے نامور ماہرین کی تعریفوں میں الفاظ کا معمولی فرق تو پایا جاتا ہے لیکن تہذیب وتمدن یا ثقافت وکلچر کی مشترک روح سب کے ہاں یہی ہے کہ افکار ونظریات اور ان کی بنیاد پر اختیار کردہ انسانی زندگی کا نام تہذیب و تمدن ہے۔''(۲۳)

☆(Pericles: یونانی حکمران (490-429) قبل مسیح، 30 سال تک یونان کا حکمران رہا۔ اس کا دور ترقی اور عروج کی علامت شمار ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے وہ دَور (Age of Pericles) مشہور ہے)

۱۶۲۰۸۵

Marfat.com

قومی انگریزی اردو لغت کے مدیر نے ''Civilization'' کے لفظ کے تحت لکھا ہے کہ:

''انسانی معاشرے کی وہ کیفیت جس کی امتیازی خصوصیت ذہنی، تکنیکی، تمدنی اور معاشرتی ترقی ہوتی ہے۔ تہذیبی ترقی کی بدولت حاصل شدہ آسائشیں، مہذب بنانے یا مہذب ہونے کا عمل مخصوص زمان یا گروہ/قوم کا تمدن۔''(۲۴)

اسی طرح ''Civilize'' سے اصطلاحی طور پر ''شائستہ و روشن خیال بنانا، معاشرتی اعتبار سے بلند کرنا، تربیت کرنا، اصلاح کرنا، سدھارنا، بربریت کو دور کرنا، آدمی یا انسان بنانا'' مراد لیا گیا ہے۔

اسی لغت میں لفظ ''Culture'' کو بھی تہذیب و ثقافت اور تمدن کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اور اصطلاحی طور پر اس سے درج ذیل مفہوم مراد لیا گیا ہے۔

''گروہ یا فرد کی اکتسابی اہلیت یا قابلیت جس کے ذریعے وہ عام طور پر مسلمہ جمالیاتی اور ذہنی ذوق کی شناخت اور تحسین کر سکتا ہے، تہذیب کا جمالیاتی و ذہنی حاصل، کسی قوم یا عہد کے حوالے سے تہذیب کا ایک خاص ارتقائی درجہ یا حالت۔''(۲۵)

سرسیّد احمد خان اور تہذیب و ثقافت کا مفہوم

جدید مفہوم کے اعتبار سے تہذیب اور ثقافت کی اصطلاحوں کا دائرہ کار اس حد تک وسیع ہو چکا ہے کہ اس میں کسی قوم کے مخصوص عناصر تہذیب کے علاوہ دوسری اقوام کی معاشرت کے مختلف انداز بھی شامل کر لیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں سرسیّد احمد خان کا حوالہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب انگریزوں اور مسلمانوں کی باہمی نفرت کو قرار دیا تھا اور دونوں کو تہذیبی طور پر قریب کرنے کی کوشش کی۔ وہ تہذیب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''انسان میں یہ ایک فطری بات ہے کہ وہ اپنے خیال کے موافق کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور کسی کو ناپسند، یا یوں کہو کہ کس چیز کو اچھا ٹھہراتا ہے اور کسی چیز کو برا اور اس کی طبیعت اس طرف مائل ہے کہ اُس بری چیز کی حالت کو ایسی حالت سے تبدیل کر لے جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے۔ یہی چیز سولزیشن کی جڑ ہے جو انسانوں کے ہر گروہ میں اور ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ اِسی تبادلے کا نام سولزیشن یا تہذیب ہے۔۔۔ ایک قوم جس بات کو اچھا سمجھتی ہے اور داخل تہذیب جانتی ہے دوسری قوم اسی بات کو بہت برا اور وحشیانہ حرکت قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف سولزیشن کا قوموں کے باہم ہوتا

Marfat.com

ہے، اشخاص میں نہیں ہوتا یا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ جب کہ ایک گروہ انسانوں کا کسی جگہ اکٹھا ہو کر بستا ہے، تو اکثر ان کی ضرورتیں اور ان کی حاجتیں، ان کی غذائیں اور ان کی پوشاکیں۔۔۔ان کی مسرت کی باتیں اور ان کی نفرت کی چیزیں سب یکساں ہوتی ہیں اور اسی لیے برائی اور اچھائی کے خیالات بھی یکساں ہوتے ہیں اور برائی کو اچھائی سے تبدیل کرنے کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ۔۔۔اس قوم یا گروہ کی سولزیشن ہے۔''(۲۶)

پسند و ناپسند کا رجحان فطرتاً انسان میں موجود ہے۔ بنیادی طور پر ہر شخص فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی چیز سے نفرت یا محبت کا رجحان بھی سب لوگوں کے اندر فطری طور پر تو ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔ البتہ ماحول کے اثرات کے تحت پسند و ناپسند اور محبت و نفرت کے رجحانات میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ چنانچہ جیسا کہ سرسیّد احمد خان نے کہا کہ ایک قوم جس بات کو اچھا سمجھتی ہے۔ دوسری اسی بات کو برا اور وحشیانہ قرار دیتی ہے۔ بالکل درست بات ہے۔ اس کی واضح ترین مثال یہ ہے کہ دنیا میں بہت سی اقوام بُت پرست ہیں، وہ بُت پرستی کو پسند کرتی ہیں اور اسی عقیدے کو اپنی اصلاح و فلاح کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔ مگر اسلام، اس کی شدید مذمت کرتا ہے۔ مسلمانوں کو اِس سے سخت نفرت ہے اور تب پرستانہ رجحانات کو اِنسانی مقام اور وقار کے منافی قرار دیا گیا ہے۔ مسلمان گندگی سے نفرت کرتے ہیں جبکہ ہندو اُسے پاکیزگی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

کسی قوم کی پسند و ناپسند اور محبت و نفرت کا معیار درست اور حقیقت پر مبنی ہے؟ اس بات کا فیصلہ دلائل کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے، جس کے دلائل عقل، عدل اور فطرت سے قریب تر ہوں گے اُسی کا موقف قابلِ ترجیح ہوگا۔

سرسیّد احمد خان کا برصغیر کے مسلمانوں پر جدید تعلیم کے حوالے سے بڑا احسان سمجھا گیا اور اسی پس منظر میں تہذیب کے حوالے سے بھی اُن کی خدمات کو بہت سراہا گیا۔ مثال کے طور پر سبط حسن لکھتے ہیں کہ:

''انسانی تہذیب کے ارتقاء کے قانون ہیگل، مارکس اور دوسرے مغربی مفکرین۔۔۔ بہت پہلے دریافت کر چکے تھے لیکن سرسیّد ان مفکرین کے خیالات سے غالباً واقف نہ تھے، پھر بھی سرسیّد کا یہ کارنامہ کیا کم ہے کہ انہوں نے ہمیں تہذیب کے جدید مفہوم سے آشنا کیا۔''(۲۷)

Marfat.com

تہذیب کا مفہوم بیان کرتے ہوئے سر سیّد احمد خان کا یہ کہنا کہ ایک جگہ بسنے والے لوگوں کا سب کچھ یکساں ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ان کے خیالات وتصورات میں بھی یکسانیت آ جاتی ہے، بہت قابلِ غور بات ہے۔ اس لیے کہ مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے لوگوں میں فکر وعمل کی ہم آہنگی ممکن نہیں اگر چہ وہ ایک ہی جگہ رہتے ہیں اور اگر بالفرض کوئی قوم دوسری اقوام سے مرعوب ہو اور اپنی پسماندگی اور بدحالی کا ازالہ کرنے کے لیے ان کی تہذیب ومعاشرت کو اپنا لے تو اس صورت میں وہ اپنی تہذیب سے الگ تھلگ ہو جائے گی۔ گویا وہ تہذیبی لحاظ سے دوسروں کی غلام بن جائے گی اور یہ رجحان تہذیب کے آزادانہ اور عادلانہ مفہوم سے متصادم ہے۔

ماہرین عمرانیات وسیاسیات اور صاحبان علم ودانش کی بیان کردہ تہذیب وتمدن کی تعریفوں کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصورات مجموعی طور پر اپنے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے انسان کی تشکیل کردار اور سیرت سازی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ کسی قوم کی تہذیب وثقافت اس کا اجتماعی تشخص ہوتا ہے جس کا ہر حال میں باقی رہنا اس کے قومی وجود کی بقاء کے لیے ناگزیر ہے۔ نیز انسانی فکر کا کوئی بھی منفی زاویہ اور کردار وعمل کا کوئی بھی تخریبی پہلو ان تصورات کے حقیقی مفہوم سے خارج ہے۔ منفی رویوں اور تخریبی رجحانات کی تہذیب وثقافت یا تمدن کے حقیقی مفہوم میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تہذیب وثقافت کے مفہوم میں اختلاف واتصال

تہذیب اور ثقافت کے الفاظ عام طور پر ہم معنی یعنی مترادف الفاظ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں اصطلاحات کا انسانی کردار اور رہن سہن پر اثر مرتب ہوتا ہے۔ تاہم دونوں کے مفہوم میں قدرے اختلاف بھی پایا جاتا ہے، جس سے تہذیب اور ثقافت کے مفہوم میں فرق کی وضاحت ہوتی ہے۔

ڈاکٹر عالی جاہ علی عزت بیگوچ تحریر کرتے ہیں کہ:

"Culture is the influence of religion on man or man,s influence on himself, while civilization is the effect of intelligence on nature, on the external world. Culture means the "art of being man" civilization means the art of functioning, ruling and making things perfect. Culture is a continual creating of self, civilization is Continual changing of the world.... Therefore,

Marfat.com

civilization is neither good nor bad in itself. Man must create civilization just as he must breathe or eat. It is an expression of necessity and of our lack of freedom. Culture, on the contrary is the ever present feeling of choise and expression of human freedom."(28)

ترجمہ: (تمدن مذہب کا انسان پر اثر ونفوذ یا انسان کا بذات خود اپنے اُوپر اثر کا نام ہے۔
ثقافت کا مطلب انسان بننے کا فن ہے، تہذیب سے مراد عمل انجام دینے، حکمرانی کرنے اور مختلف کاموں کو تکمیل تک پہنچانا ہے۔ ثقافت تخلیق ذات کا تسلسل ہے۔
تہذیب فی نفسہٖ اچھی یا بری نہیں ہوتی انسان کے لیے ضروری ہے کہ تہذیب کو تخلیق کرے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ اس کے لیے سانس لینا یا کھانا پینا ضروری ہے۔
تہذیب ہماری آزادی کے فقدان اور ضرورت کا ایک اظہار ہے۔ اس کے برعکس کلچر ہمیشہ رہنے والی پسند اور انسانی آزادی کے اظہار کا نام ہے۔)

بنیادی طور پر انسانی زندگی کسی نہ کسی سوچ اور فکر ہی کے زیرِ اثر ہوتی ہے۔ وہ فکر مذہب کی دی ہوئی بھی ہوسکتی ہے اور اس سے ہٹ کر یعنی خواہش نفس کے تحت پیدا شدہ بھی۔

اگرچہ ''Civilization'' اور ''Culture'' یعنی تہذیب و تمدن کے مفہوم میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور لفظ ''Civilization'' کے لیے ''تہذیب'' اور ''Culture'' کے لیے ثقافت یا تمدن کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تہذیب کا تعلق کسی فکر، نظریے اور عقیدے اور اس کے نتیجے میں فکری ارتقاء سے ہے۔ جبکہ ثقافت اس فکری ارتقاء کے عملی مظاہروں کا نام ہے، جو زندگی کے مختلف زاویوں مثلاً زبان، لباس، ادب، فنونِ لطیفہ، معاشی، سیاسی اور دیگر سماجی رویوں کی شکل میں نمایاں ہوتے ہیں۔ تاہم اختلاف مفہوم کے باوجود دونوں اصطلاحیں لازم وملزوم بھی ہیں، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کوئی تہذیب فی نفسہٖ اچھی یا بری نہیں ہوتی تو اس بات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے کیونکہ جب کوئی فکر مثبت یا منفی ہوسکتی ہے، تو تہذیب بھی اچھی یا بری ہوسکتی ہے اور ویسے ہی اثرات عملی تہذیب یعنی ثقافت یا تمدن کی شکل میں ظاہر ہوسکتے ہیں۔

علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں:

''جس طرح علم، ذہن اور مادے کے باہمی عمل اور ردِّ عمل کی مربوط و بامعنی صورت

Marfat.com

ہے۔اسی طرح تمدن بھی انسان کے خارجی ماحول اوراس کے ذہن کے باہمی عمل و ردِّعمل ہی کی ایک تخلیقی شکل ہے۔''(۲۹)

تہذیب اورثقافت کے مفہوم میں اختلاف واتصال کے حوالے سے سبطِ حسن کی بیان کردہ تہذیب کی تعریف کافی حدتک اس بات کو سمجھنے میں معاونت کرتی ہے کہ تہذیب اورثقافت میں ایسا اختلاف نہیں جس سے دونوں کی راہیں جداجدا ہوجائیں بلکہ دونوں تصورات اوراصطلاحیں باہم مربوط ہیں اوران کا باہمی تعلق فکروعمل کا سا ہے، چنانچہ سبطِ حسن لکھتے ہیں کہ:

''کسی معاشرے کی بامقصد تخلیقات اورسماجی اقدار کے نظام کوتہذیب کہتے ہیں۔ تہذیب معاشرے کی طرزِ زندگی اورطرزِفکرواحساس کا جوہر ہوتی ہے۔چنانچہ زبان، آلات واوزار، پیداوار کے طریقے اورسماجی رشتے ،رہن سہن،فنونِ لطیفہ،علم وادب، فلسفہ وحکمت، عقائد وافسوں، اخلاق وعادات، رسوم وروایات، عشق ومحبت کے سلوک اورخاندانی تعلقات وغیرہ تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں۔''(۳۰)

تہذیب اورثقافت کی جملہ تعریفات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تہذیب (Civilization) فکروشعور،فہم وادراک اورنظریات وتصورات پرمبنی اصطلاح ہے۔اس کے نتیجے میں عملی طور پر جو کچھ معرضِ وجود میں آتا ہے اورانسان جس طرح مختلف عادات واطوار اپناتا ہے، اسے تمدن یا ثقافت (Culture) کہا جاتا ہے۔

○○○

Marfat.com

تہذیب وتمدن کا ارتقاء

آغاز وارتقاء

تہذیب وتمدن کے آغاز اور ارتقاء پذیر ہونے کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ:

"The age of discovery following the voyages of columbus, an age that introduced Europeans to primitive peoples around the world, witnessed the beginnings of modern anthropology, as intellectuals sought to explain the existance of these primitives and to theorize on the evolution of European society from People assumed to be very much like them. When the 17th century English philosopher, Thomas Hobbes describes primeval man as solitary, poor, nasty, brutish and short, with "no arts, no letters, no society," he was very much proclaiming a popular conception of the "savage." Everything that was good and civilized resulted from the slow development out of this lowly state, Eventually there formed the idea of an progress or perfectibility."(31)

ترجمہ: (کولمبس کے بحری اسفار کے حوالے سے دریافت کا زمانہ وہ دور ہے، جس

Marfat.com

نے یورپ کے لوگوں کو آس پاس کی دنیا کے قدیم لوگوں سے جدید علم بشریات کے آغاز کی شہادت دیتے ہوئے روشناس کرایا۔ جیسا کہ دانشوروں نے قدیم لوگوں کے وجود اور ان سے بہت ملتے جلتے لوگوں سے معرضِ وجود میں آنے والے یورپی معاشرے کے ارتقاء کے نظریے کی وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ جب کہ ۱۷ویں صدی کے انگریز فلسفی تھامس ہابز نے بیان کیا کہ قدیم انسان غیر مہذب، مفلس اور ظالم تھا، اس کی پاس نہ کوئی فنون تھے، نہ الفاظ اور نہ معاشرہ، ہابز کے نزدیک اس دَور کا انسان مقبول عام تصور کی رو سے ''وحشی'' تھا۔ واحد بات جو اچھی اور مہذبانہ تھی، جو اس نچلے درجے کی حالت کی سست رفتار ترقی کے نتیجے میں سامنے آئی وہ بالآخر انسانی ترقی یا تکمیلیت کے خیال کا تشکیل پانا تھا)

اس کے برعکس ''تاریخ تہذیب☆'' کے مؤلفین کے مطابق ماقبل تاریخ کا انسان خاصا مہذب تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ماقبل تاریخ انسانوں کے متعلق جو ابتدائی شہادتیں ملتی ہیں، ان سے آشکار ہوتا ہے کہ وہ منظّم گروپوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔۔۔ گویا ہم سرسری طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ماقبل تاریخ انسان ''مہذب'' تھا۔ نئے حجری دور کے اواخر میں مثلاً چار ہزار سال قبل مسیح مشرق قریب کے اندر انسانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ دیہات میں رہتے، کپڑا بُنتے، برتن بناتے، جانوروں سے کام لے کر کھیتی باڑی کرتے، غلہ اُگاتے، چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سمندر پر پھرتے اور بڑی عالی شان عمارتیں پایۂ تکمیل کو پہنچاتے۔''(۳۲)

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں:

''یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انسان کی آرزوئے حسن اس کی ثقافتی زندگی کے نشوو ارتقاء کا اہم ترین عامل ہے۔ ثقافت کے نشوو ارتقاء کے دیگر عوامل کون سے ہیں اور کس طرح انسان نے اپنی ثقافتی زندگی کا آغاز کیا؟ یہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں

☆ John B.Christopher 'Crane Brinton اور Robert lee wolff کی انگریزی تصنیف "A History of civilization" کا اردو ترجمہ ہے، جو پاکستان میں ۱۹۶۵ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ یہ دو حصوں میں ہے، پہلا حصہ ۲۶۰۰ قبل مسیح سے ۱۳۱۷ عیسوی تک کے اہم تاریخی مراحل کا احاطہ کرتا ہے، جبکہ دوسرے حصے میں دوسری عالمی جنگ کے کچھ بعد تک کا تذکرہ ہے)

Marfat.com

زندہ خدا کی زندہ کتاب قرآنِ حکیم کی طرف رجوع کرنا ہوگا، جس نے قصّہ آدم میں اس طرف بڑے ہی فکر آفریں اور بصیرت افروز اشارے کیے ہیں۔"(۳۳)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"انسان کی ثقافتی زندگی میں عظیم ترین، حسین ترین اور اہم ترین انقلاب کا آغاز اس وقت ہوا جب اسے زبان کے علاوہ اپنے مافی الضمیر کے اظہار و ابلاغ نیز اپنے افکار وتصورات اور دوسروں کے اقوال اور دیگر باتوں کو محفوظ کر لینے کے لیے ایک معجز نما وسیلے کا سراغ ملا جسے قلم کہتے ہیں۔۔۔تمام ادیان کی کتب سماوی سے اس حقیقت کا سراغ ملتا ہے کہ ہیں۔۔۔تمام ادیان کی کتب سماوی سے اس حقیقت کا سراغ ملتا ہے کہ انسان نے یہ فن تحریر بھی اللہ کے بھیجے ہوئے معلمان انسانیت سے سیکھا ہے۔"(۳۴)

اگر چہ انسانی زندگی کا آغاز سادگی سے ہوا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قبل تاریخ کا انسان وحشی ہونے کی حد تک غیر مہذب اور غیر متمدن تھا۔ چنانچہ غار کے زمانے کا انسان ہو یا پتھر کے دَور کا، وہ ہر دَور میں حیوانِ ناطق اور معاشرتی مخلوق کی حیثیت سے زندگی کا سفر طے کرتا رہا ہے۔ جمالیاتی حس (Aesthetic Sense) اور فطری حیا نیز علم و عرفان جو تہذیب کے بنیادی اوصاف سمجھے جاتے ہیں، پیدائشی طور پر انسان کو ودیعت ہوئے۔ گویا انسان نے ہدایت کی روشنی میں آنکھ کھولی جس سے زندگی کی راہیں روشن ہوتی گئیں اور تہذیب و تمدن ترقی کرتے گئے۔

قوموں کے عروج و زوال کے تہذیب پر اثرات

قوموں کے سیاسی جوڑ توڑ، شکست و ریخت اور عروج و زوال نے ہمیشہ تہذیب و ثقافت پر مختلف طرح کے اثرات مرتب کیے ہیں جب بھی کوئی قوم کسی حملہ آور کے ہاتھوں تباہی سے دوچار ہوئی اُس کی تہذیب اور ثقافتی ورثے کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ کیونکہ اکثر حملہ آوروں نے تہذیبوں کو لوٹنے ہی کو اپنی فتح سمجھا۔

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ:

"تیمور نے بغداد کو دو بار فتح کیا۔ پہلی بار 795ھ/1392-93ء میں جبکہ شہر معمولی سا نقصان اُٹھا کر بچ گیا اور دوسری بار 803ھ/1400-01ء میں جبکہ باشندوں کا قتلِ عام کیا گیا اور بہت سی (عباسی) سرکاری عمارتیں اور محلے ویران کر دیئے گئے۔ یہ بغداد کی ثقافت پر ایک کاری ضرب تھی۔"(۳۵)

Marfat.com

تہذیب وثقافت اصل میں کسی قوم کی بحیثیت قوم پہچان ہوتی ہے۔اسے اُس کی تہذیب و ثقافت سے محروم کرنا اُس کو قومی شناخت سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔اس لیے عروج وزوال کی داستان میں یہ بات اہم رہی ہے کہ خواہ کسی نے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لیے یا مادی مفادات کی خاطر کسی قوم کو جارحیت کا نشانہ بنایا ہو اُس نے اُس کی ثقافتی اقدار کو ضرور ایک نیا نقشہ دیا اور اُن پر اپنے تسلط کے اثرات مرتب کرنے کی پوری کوشش کی تا کہ اُس کا ''Agenda'' با آسانی کامیاب ہو سکے۔قطع نظر اس کے کہ اس اقدام کے نتائج کچھ بھی ہوں یعنی ہوسکتا ہے کہ مفتوح قوم کے اندر کوئی غیر معمولی قسم کا ردِّ عمل پیدا ہو جو ایک منظّم تحریک کی شکل اختیار کر کے اپنی تہذیب وثقافت کا احیاء کرنے کے ساتھ ساتھ اسے استحکام کی اُس منزل تک لے جائے کہ اپنے حریفوں کو براہِ راست یا بالواسطہ نشانہ بنا سکے۔

> ''بیرونی حملہ آور ایٹیلا ''Attila''☆ وغیرہ خصوصاً شمال سے مملکت پر چڑھ دوڑے اور اسے تباہ کر دیا۔اس طرح مملکتِ روما کا مغربی حصہ (یعنی جس حصے پر اہلِ روما کی حکومت تھی) حملہ آور فوجوں کی شکست وریخت کا شکار ہو گیا۔مملکت تباہ ہو گئی، ایک معاشرہ تباہ ہو گیا۔ایک تہذیب تباہ ہو گئی اور اس طرح تباہ ہوئی کہ ایک ہزار سال تک یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا رہا جسے آخر کار مسلمانوں نے دُور کیا۔''(۳۶)

سلطنت روما (Roman Empire) کا حوالہ تاریخِ عالم کا ایک بڑا اور مضبوط حوالہ ہے جو صدیوں تک عظمت وشوکت اور تہذیبی عروج کی علامت کے طور پر موجود رہا، لیکن جب اس قدیم و عظیم سلطنت کو زوال آتا ہے تو صدیوں پر مشتمل تہذیب وتمدن کا شیرازہ بھی بکھر کر رہ جاتا ہے۔

محمد قطب مصری رقمطراز ہیں:

> ''سماجی روایات کی شکست وریخت، ان سے بے اعتنائی اور بے پروائی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سارا معاشرہ اندرونی اور بیرونی تباہ کاری سے دو چار ہو جاتا ہے اور بالآخر عیش کوشی میں مبتلا افراد خود بھی عیش ولذت سے محروم ہو جاتے ہیں۔''(۳۷)

سماجی روایات واقدار یا تو اس وقت دم توڑتی ہیں، جب وہ بے روح ہو کر ٹھوس بنیاد سے محروم ہو جائیں یا ان کے تحفظ کا سلسلہ رک جائے۔دونوں صورتوں میں کوئی بھی دوسری قوم اپنا تسلط

☆(''Attila''(406 تا 453ء) ایشیاء کے ایک جنگجو قبیلے کا سردار تھا، جو ظلم و بربریت کی وجہ سے مشہور ہوا، اس نے مختلف سلطنتوں کو تاراج کیا تھا)

Marfat.com

جما کر مدِّ مقابل کو با آسانی نشان عبرت بنا سکتی ہے اور اس کا تہذیب و تمدن اپنی انفرادیت کھو سکتا ہے، جب بھی کوئی قوم کسی علاقے کو فتح کرتی ہے۔ تو وہاں کے رہنے والے ایک نئی تہذیب سے متعارف ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ فاتح قوم کا تمدن لوگوں کی زندگیوں پر اثرات مرتب کرنا شروع کر دیتا ہے اور مفتوحہ علاقوں کے رہنے والوں کے طور طریقوں میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

پروفیسر عزیز احمد (تاریخِ وفات ۱۶/دسمبر ۱۹۷۸ء) مسلمانوں کے عروج اقتدار کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> ''سولہویں صدی کے آغاز سے اٹھارہویں صدی کے آخر تک دارالاسلام کا تقریباً پورا علاقہ ماسوائے چند دور افتادہ مقامات کے تین سلطنتوں یعنی سلطنت عثمانیہ، صفوی سلطنت اور مغل سلطنت پر مشتمل رہا۔ اس وجہ سے ان صدیوں میں اسلامی تاریخ کو سیاسی اور ثقافتی حیثیت سے اُبھرنے کا موقع ملا۔''(۳۸)

قوموں کا عروج ان کی سیاسی قوت پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی قوت کی بدولت کوئی قوم دوسروں پر غالب آتی ہے اور ان پر اپنے کلچر کے اثرات چھوڑتی ہے۔ جبکہ سیاسی لحاظ سے کمزور قومیں تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے بھی کمزور ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی یکسر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فاتح اقوام مفتوحہ اقوام کی طرزِ معاشرت سے کوئی اثر قبول نہیں کرتیں۔ بلکہ جب دونوں میں میل جول بڑھتا ہے تو کسی حد تک یا بڑی حد تک ان پر بھی مفتوحہ لوگوں کے رہن سہن کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مسلمانوں نے ہندوستان پر تقریباً سات صدیاں حکمرانی کی، تو جہاں اہلِ ہندوستان پر اسلامی طرزِ بود و باش کے بہت سے اثرات مرتب ہوئے وہاں مسلمانوں کے اندر بھی بہت سی ہندوانہ رسوم، رواج پا گئیں۔ بقول پروفیسر عزیز احمد:

> ''ہندوستان میں عربوں، ترکوں، ایرانیوں اور افغانوں کا ہندوستانی عورتوں سے شادی کرنا دوسرے ملک کے مسلمانوں کے رواج سے مطابقت رکھتا تھا۔ یہ شادیاں سماج کے ہر طبقے میں رائج تھیں۔ ہندو، بیویوں اور ہندو داشتاؤں کے ذریعے ہندووانہ رسم و رواج رفتہ رفتہ ہندوستانی اسلام میں نفوذ کر گئے اور اسلام خود ان عورتوں کے کنبوں میں داخل ہو گیا۔''(۳۹)

اس وقت بھی پاکستانی معاشرے میں ایسے رسم و رواج موجود ہیں، جو ہندو معاشرت سے بہت قریب تر ہیں، خاص طور پر شادی بیاہ اور پیدائش و وفات کے حوالے سے پاکستانی معاشرے میں

Marfat.com

ان رسوم کی پابندی کو لازم سمجھا جاتا ہے۔ 1947ء کے بعد نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے پر اگرچہ اس رجحان میں کمی آئی ہے تاہم بعض اوقات ابھی بھی اس کی شدت محسوس ہوتی ہے۔

معین باری بغداد کے نشیب وفراز پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

''ہزاروں سال پرانے نوادرات جو بغداد کے عجائب گھروں میں محفوظ تھے اور جو سکندرِاعظم، سائرس اور منگولوں کی دسترس سے بچے رہے، وہ گلف وار ii میں تباہ ہو گئے یا چوری ہو گئے۔ منگولوں نے بغداد کے کتب خانوں کو دریائے دجلہ میں بہا دیا تھا، لیکن اس بار بغداد کی تین بڑی لائبریریوں کو جن میں سینکڑوں سال پرانے گراں قدر قلمی نسخے محفوظ تھے، انھیں نذرِآتش کر دیا گیا۔ ان میں خلفائے راشدینؓ اور علمائے دین کے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآنی نسخے بھی تھے۔''(۴۰)

حقیقت یہ ہے کہ عصری عروج وزوال کے تناظر میں امریکہ اور برطانیہ کے ہاتھوں سقوطِ بغداد پورے عراق کی تباہی و بربادی اور وہاں کے عجائب خانوں اور کتب خانوں کا جلایا جانا صرف ایک بڑا نقصان نہیں بلکہ ایک تہذیب کا خاتمہ ہے جو کسی قوم کی پہچان ہوتی ہے۔ دیگر قدیم قوموں کے تہذیبی ورثے کی پامالی کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب وثقافت کے شعائر کی بے حرمتی اور تباہی میں مسلمانوں کے لیے خاص طور پر لمحۂ فکریہ ہے۔

ڈاکٹر عبدالحلیم عویس☆ رقمطراز ہیں:

''تہذیب کی عمارت میں جب شگاف پڑتا ہے تو وہ ایسے ذرات میں تبدیل ہو جاتی ہے جو برابر بکھرتے اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں، جس طرح بوسیدہ دیوار کی اینٹیں یکے بعد دیگرے گرتی چلی جاتی ہیں۔''(۴۱)

عروج وزوال کے پس منظر میں اکیسویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا واقعہ امریکہ اور برطانیہ کے ہاتھوں عراق کی تباہی اور سقوطِ بغداد ہے۔ اگرچہ بغداد شروع سے ہی ایسے نشیب وفراز کے لیے ایک تجربہ گاہ بنا رہا ہے۔ تاہم رواں صدی کا یہ سقوط (Fall) اس لحاظ سے بھی انفرادیت کا حامل

☆ مصری سکالر جو ریاض (سعودی عرب) میں الامام محمد بن سعود یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ وتمدن کے استاد رہے ہیں۔ مقتدیٰ حسن نے 'عظمتِ رفتہ' کے نام سے اُن کی کتاب کا اُردو میں ترجمہ کیا' مگر اصل کتاب کا نام نہیں بتایا۔ اس کتاب میں مصنف نے تیس مسلم حکومتوں کے اسبابِ زوال کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔

Marfat.com

ہے کہ یہ دنیا بھر کے ملکوں کی طرف سے مخالفت کے باوجود وقوع پذیر ہوا جس میں دنیا کے سب سے زیادہ مہذب ہونے کا دعویٰ کرنے والوں نے بنیادی انسانی حقوق اور صدیوں پرانی تہذیب کو پامال کرنے کے لیے اربوں ڈالر کا جدید ترین اسلحہ استعمال کیا۔

بغداد کا عجائب گھر جو صدیوں پرانے تہذیبی ورثے کا امین تھا وہ بھی تباہ و برباد ہو چکا۔ بغداد پر قبضے کے بعد لوٹ مار کا بازار گرم ہوا جس میں ہر طرح کی لوٹ مار شامل تھی۔ لوٹنے والوں نے میوزیم سے انتہائی قیمتی (انمول) نوادرات بھی چُرائے۔ انگریزی روزنامہ ''Dawn'' اپنی 19 اپریل 2003ء کی تحقیقی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ:

"Baghdad,s museum, which housed a major collection of antifacts from some of the world,s oldest civilizations, was ransacked last week in the upheavel following the entry of U.S. troops into the city."(42)

ترجمہ: (بغداد کا عجائب گھر جو دنیا کی کچھ قدیم ترین تہذیبوں کے نوادرات پر مشتمل ایک بڑے ذخیرے کا حامل تھا، پچھلے ہفتے امریکی فوجوں کے بغداد شہر پر حملے کے نتیجے میں تباہ و برباد کر دیا گیا)

اکیسویں صدی جو علم و دانش اور سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کی صدی کے طور پر آغاز پذیر ہو رہی ہے، اس میں علمی، تہذیبی اور سماجی قدروں کی پامالی فکر انگیز نکتہ ہے۔ اس کے پس منظر پر غور کرنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی جذبات سے مغلوب ہو کر عالمی سطح پر فیصلے کرتا ہے تو اقوامِ عالم کے درمیان تہذیبی تصادم برپا ہوتا ہے اور تہذیبوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا ہے۔

○○○

Marfat.com

تہذیب اور انسانی رویے

تہذیب اور مذہب

کسی قوم کی تہذیب عام طور پر اُس کے مذہبی افکار و نظریات سے ماخوذ ہوتی ہے۔ ہر قوم اپنی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لیے اپنے مذہب ہی کا حوالہ استعمال کرتی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کون سے مذہب سے وابستہ ہے۔

ڈاکٹر آغا افتخار حسین لکھتے ہیں:

''قدرت کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت دین اور مذہب بھی ہے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے کردار کو سنوارنے اور اسے مہذب زندگی کے آداب سکھانے اور ذہنی سکون عطا کرنے میں جتنا حصہ مذہب کا ہے کسی اور فکری عمل کا نہیں۔''(۴۳)

مذہب کی بنیاد پر انسان بڑے کام کرتا ہے۔ اس بِنا پر لوگوں میں باہمی محبت یا نفرت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ اتحاد یا انتشار پیدا ہوتا ہے۔ صرف مذہب کے قدر مشترک ہوتے ہوئے بہت کچھ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ گویا انسان کے فکر و عمل پر سب سے زیادہ اثر مذہب کا ہے جو تہذیب و طرزِ معاشرت کے ذریعے ظہور پذیر ہوتا ہے۔

سیموئل پی۔ ہنٹنگٹن نے لکھا ہے کہ:

"Of all the objective elements which define civilizations however, the most important usually is religion as the Athenians emphasizad. To a very large degree, the major civilizations in human history has been closely indentified with the world's great

Marfat.com

religions; and people who share ethnicity and language but differ in religion may slaughter each other,as happened in Lebanon, the former yugoslavia, and the subcontinent."(44)

ترجمہ: (تہذیبوں کی تعریف متعین کرنے والے سارے معروضی عناصر میں سب سے زیادہ اہم مذہب رہا ہے۔ بہت بڑے درجے پر انسانی تاریخ کی بڑی تہذیبیں دنیا کے عظیم ترین مذاہب سے موافق رہی ہیں اور وہ لوگ جو نسل اور زبان کے حوالے سے تو ایک ہوں لیکن مذہب کے حوالے سے مختلف ہوں، ایک دوسرے کو ذبح کر سکتے ہیں، جیسا کہ لبنان، سابق یوگوسلاویہ اور برصغیر میں ہوا)

تہذیب کے نتیجے میں تمدن جنم لیتا ہے۔ لہٰذا جس طرح مخصوص تہذیب، مذہب کے زیرِ اثر ہوتی ہے اسی طرح ثقافت اور تمدن پر بھی اس مذہب کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

محمد حسین ہیکل☆ ''حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' میں لکھتے ہیں:

''بنی نوع انسان کو جس تمدن نے بام ترقی پر پہنچایا وہ نہ صرف خود مذہب کی گود میں پروان چڑھا بلکہ ابھی تک مذہب ہی کی تربیت میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اگرچہ دورِ حاضر میں وہ (تمدن) مذہب سے مخلصی کی کوشش میں ہاتھ پیر مار رہا ہے، لیکن اس کی جدوجہد کا ثمرہ یہ نظر آتا ہے کہ وہ رستگاری کی بجائے خود پر مذہب کی گرفت اور زیادہ کر رہا ہے جسے دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہیں کہ مستقبل میں۔۔۔ تمدن از خود مذہب کے حضور سرِ تسلیم خم کر دے گا۔''(۴۵)

تہذیب و تشخص اس قدر مذہب کے ساتھ منسلک ہے کہ تہذیبی لحاظ سے زوال پذیر قومیں اپنے وجود کی بقا اور تمدن کی بحالی کے لیے بالآخر مذہب ہی کی طرف لوٹتی ہیں، اس لیے کہ زوال کے اسباب میں سب سے بڑا اور بنیادی سبب مذہب سے انحراف ہوا کرتا ہے۔ ''مغرب اور اسلام'' اسلام آباد (پاکستان) کے مضمون نگار نے تحریر کیا ہے کہ:

''اگر نظام و انصرام، شناخت اور وسائل تباہ ہو جائیں تو بڑی تعداد میں لوگ اپنے مذہب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس میں صرف آخرت کی نجات کا ذریعہ ہی

☆ (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء تا ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء) الاعلام (۱۰۷/۶) کے مؤلف خیرالدین زرکلی نے ''حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے مصنف کا نام محمد حسین ہیکل بتایا ہے۔

Marfat.com

تلاش نہیں کرتے (جو کہ مذہب کا ایک عمومی کردار ہے) بلکہ وہ اس میں دنیوی زندگی کے عدم اطمینان اور بے چینی کا حل بھی ڈھونڈتے ہیں۔''(۴۶)

(درج بالا حوالے میں لفظ ''شناخت'' (Identity) تہذیب وتمدن کی عکاسی کرتا ہے جس کے نشو وارتقاء اور استحکام کے لیے باقاعدہ وسائل کو بروئے کار لایا جاتا ہے اور ایک مستقل نظام کے مطابق معاشرتی رویوں کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ تہذیبی زوال کی صورت میں لوگوں کا مذہب کی طرف رجوع کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ تہذیب وتمدن کا احیاء اور نشاۃِ ثانیہ مذہب کی محتاج ہے)

جو لوگ مذہب اور تہذیب کو الگ الگ سمجھتے ہیں ان کی غلط فہمی کے ازالے کے لیے عصرِ حاضر کے فرانسیسی مسلمان دانشور اور مصنف فرِتجوف☆ شُوَاون، کا تجزیہ بہت برمحل اور ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''صرف وہی لوگ ''مہذب'' کہلانے کے مستحق ہیں جنہیں الوہیت کا ادراک ہے اور جو اُس ادراک کی روشنی میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ یہ مذہبی پابندی ''تہذیب وتمدن'' کی سرط نہیں ہو سکتی کیونکہ تہذیب تو مذہب کے بغیر بھی ممکن ہے تو جواب یہ ہوگا کہ ایسی تہذیب ساری اقدار سے عاری تسلیم کی جائے گی۔ ایسی تہذیب کو پروان چڑھانا، جو قدسی اور غیر قدسی میں فرق نہ رکھے، انسان کی سب سے بڑی گمراہی شمار ہوگی۔''(۴۷)

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''دین اور اخلاق اور تہذیب اور تمدن، یہ سب چیزیں بلند تر انسانیت سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی قدر وعزت وہی لوگ کر سکتے ہیں جو حیوانیت سے بالاتر ہوں۔''(۴۸)

تہذیب اور اخلاقی وسماجی رویے

تہذیب اور اخلاقیات کا باہم گہرا ربط ہے۔ اس لیے کہ تہذیب کسی قوم کے عادات و اطوار پر اثرات مرتب کرتی ہے، اس کی سیرت سازی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ فخر الدین حجازی☆☆

☆ فرانسیسی مسلمان دانشور اور مصنف، عربی نام شیخ عیسیٰ نورالدین احمد العلوی، ان کی اصل کتاب فرانسیسی زبان میں ہے جس کا انگریزی ترجمہ عبداللہ میتھیسن نے کیا جبکہ ریڈیو پاکستان کے سابق ڈائریکٹر جنرل اور معروف دانشور اور شاعر سیّد سلیم گیلانی نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔

☆☆ ایرانی دانشور اور مصنف

Marfat.com

لکھتے ہیں کہ :

''تہذیب وتمدن ماہرین عمرانیات کے بقول وہ ترقی پذیر حالت ہے جس کے زیر اثر قومیں نئے ترقی سکھانے والے علوم سیکھتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں تمدن علمی بلندیاں حاصل کرنے کا اقوام کا ایک رجحان ہے۔۔۔لیکن تہذیب وتمدن صرف مادی کامیابیوں کے حاصل کرنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اخلاقی کمالات اور انسانی اعلیٰ صفات کا حصول بھی شامل ہے۔''(۴۹)

ولیم للّی لکھتے ہیں:

''اچھی سیرت کو اخلاقی خیروں میں اس کا جائز اور غالبًا اچھوتا مقام دینے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اخلاقیات کے واجبیاتی نظریے کو اختیار کرلیا جائے جس کے نزدیک صائب یا اخلاقی اعتبار سے اچھے اعمال فی نفسہٖ خیر ہوتے ہیں۔''(۵۰)

حسن سیرت کو اعلیٰ اخلاقی قدروں میں شامل کرنے کا مطلب تہذیب اور اخلاقیات کو ہم آہنگ کرنا ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سیرت کی تشکیل میں بنیادی کردار انہی عوامل کا ہے جو تہذیب کو پروان چڑھاتے ہیں۔

ایم ایم شریف لکھتے ہیں:

"As it has been said before a culture may rise in one field at one time, in an other field it may yet be decining on the whole. The politico-social rise or fall of a culture necessarily goes with its moral rise or fall."(51)

ترجمہ: (جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ کوئی کلچر ایک وقت میں کسی ایک پہلو سے اُبھر سکتا ہے جبکہ کسی دوسرے شعبے میں بحیثیت مجموعی زوال پذیر ہوسکتا ہے۔ کسی کلچر کا سیاسی، سماجی عروج وزوال اس کے اخلاقی عروج وزوال کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔)

تہذیب وتمدن اور طرزِ معاشرت مجموعی فکری وعملی رویوں کے عکاس ہوتے ہیں۔ اسی طرح اخلاقیات کسی قوم کے تشخص کی تشکیل کرتی ہے۔ گویا تہذیب وتمدن اور اخلاقیات کا باہم گہرا ربط اور تعلق قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو قوم اخلاقی لحاظ سے مضبوط اور زرخیز ہو وہ تہذیبی لحاظ سے بھی اعلیٰ اوصاف کی حامل ہوتی ہے اور اس کا تمدن ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔

Marfat.com

جبکہ اخلاقی زوال بالآخر تہذیب کے زوال پر منتج ہوتا ہے اور طرزِ معاشرت میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے۔

تہذیبی ورثہ اور معاشرتی رویے

معاشرے میں افراد و اقوام کے مختلف رویے پائے جاتے ہیں، مثبت بھی اور منفی بھی اور اگر ان کی تفصیل میں جائیں تو ان کے بہت سے ضمنی پہلو سامنے آتے ہیں۔ مثلاً تعمیر و ترقی، محبت، دوستی، رواداری، شرم و حیا، طہارت، ایثار و قربانی وغیرہ جو کہ مثبت رویے ہیں۔ اس کے برعکس استیصال، تنگ نظری، بے حیائی، گندگی، خود غرضی وغیرہ منفی رویوں کے ذیل میں آتے ہیں۔

تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ افراد و اقوام کے رویے اصل میں ان کے تہذیبی اور تمدنی ورثے کے تابع ہوتے ہیں۔ نسل در نسل منتقل ہونے والا تہذیبی ورثہ سماجی رسم و رواج کا تعین کرتا ہے، جس قوم کی تہذیب اسے اصلاح و فلاح اور باہمی احترام کا درس دے، اس میں مثبت رویے جنم لیتے ہیں اور اسی کے رسم و رواج' وقار اور استحکام کے ضامن قرار پاتے ہیں۔ مثال کے طور کسی قوم کی تہذیب اسے رواداری اور ایثار کی تعلیم دیتی ہے تو یقیناً اس قوم کے لوگوں میں دوسروں سے محبت کرنے، ان کے جذبات کا احترام کرنے، برداشت کرنے اور وسیع النظری جیسے اوصاف ہوں گے، بشرطیکہ وہ تہذیب کے مفہوم سے انحراف پر نہ اُتر آئیں۔ اسی طرح جس قوم کی تہذیب اسے گندگی، عریانی، نفرت اور تنگ نظری کی تعلیم دے، اس کے عملی رویے سے انہی باتوں کا اظہار ہوگا۔

اقوامِ عالم کے یہی مختلف معاشرتی رویے ان کے درمیان تصادم اور تشدد کو جنم دیتے ہیں، جس کی بنیاد میں ان کا تہذیبی و تمدنی اختلاف کارفرما ہوتا ہے۔ عام طور پر سیاسی لحاظ سے طاقتور قومیں اپنے تہذیبی رجحانات اور معاشرتی رویوں کی ترویج و اشاعت کے لیے دوسری اقوام کے افکار، تمدن اور سماجی رویوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتی ہیں۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ''کلچر یا ملت یا ثقافت جس لفظ سے بھی آپ تعبیر کرنا چاہیں ایک ورثہ ہوتا ہے، جو پرانی نسل نئی نسل کو منتقل کرتی ہے۔ نئی نسل اس ثقافتی سرمائے اور تہذیبی ورثے کی نسبت اپنے اندر ایک اعتماد پیدا کرتی ہے، اس کے اندر ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے، جس طرح انسان کے جسمانی وجود میں تعمیر و تخریب کے دو نظام بیک وقت کام کرتے رہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح معاشرے کے اندر ایک تعداد مفاد پرستوں کی ہوتی

Marfat.com

ہے، جس کی کوشش تخریبی ہے۔ اگر تخریب کی وہ سعی جو معاشرے کے اندر سے کی جا رہی ہے، کامیاب ہو جائے تو معاشرے کی تہذیب وثقافت اور کلچر کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔''(۵۲)

معاشرتی رویوں اور تہذیب وتمدن کا بھی آپس میں گہرا تعلق ہے، جس طرح تہذیب رویوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی طرح مختلف قسم کے رویے نئی تہذیبی روایات کو بھی جنم دیتے ہیں۔ طاقتور تہذیبی اقدار میں افراد کے رجحانات اور رویوں کو تبدیل کر دینے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک قوم جب اس حوالے سے جائزہ لیتی ہے کہ اس کی تاریخ سچائی اور شجاعت سے عبارت ہے تو اس کی نئی نسل اس کا اثر قبول کرتی ہے اور تاریخ کو دہرانے کی کوشش کرتی ہے۔

○○○

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ الفیر وزآبادی، محمد بن یعقوب، مُجدُ الدین' القاموس المحیط (دارالجیل بیروت، س ن) ۱/۱۴۴۔۱۴۵

۲۔ ابراہیم انیس، الدکتور وغیرھم، المعجم الوسیط (مکتبۃ العلمیہ، احیاء التراث العربی، بیروت) ۲/۹۸۹

۳۔ جبران مسعود، الرائد (دارالعلم للملایین، بیروت، ۱۹۶۷ء) ص: ۴۶۷

4- Urdu English Dictionary (Feroz Sons Limited Lahore) P.236

۵۔ البقرہ (۲) ۱۹۱

۶۔ آل عمران (۳) ۱۱۲

۷۔ النسآء (۴) ۹۱

۸۔ الانفال (۸) ۵۷

۹۔ الاحزاب (۳۳) ۶۱

۱۰۔ الممتحنہ (۶۰) ۲

۱۱۔ الفیر وزآبادی، القاموس المحیط، ۳/۱۲۵

۱۲۔ بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات (دارالاشاعت کراچی، طبع اوّل: ۱۹۸۹ء) ص: ۹۴

۱۳۔ الیاس انطون الیاس، القاموس المدرسی (المکتبۃ دارالاشاعۃ، مولوی مسافر خانہ، کراچی ۱۹۸۴ء) ص: ۵۴

۱۴۔ خلیل الجر، الدکتور، لاروس، المعجم العربی الحدیث (مکتبہ لاروس کینیڈا، ۱۹۷۳ء) ص: ۳۳۸

۱۵۔ البعلبکی، منیر، موسوعۃ المورد (دارالعلم للملایین، بیروت) ص: ۱۸۱

۱۶۔ ایضاً // // // // ص: ۲۳۸

۱۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر' قومی انگریزی لغت، ڈاکٹر (مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء) ص: ۶۶۳

۱۸۔ ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت (فیروز سنز لمیٹڈ (س۔ن) لاہور، راولپنڈی، کراچی) ص: ۴۲

19- Encyclopaedia of Religion and Ethics, Edited by James Hastings (New York, 1911)1 / 388.

۲۰۔ خان، عبدالرحمٰن، منشی، دورِ جدید کے عالمگیر فتنے (جاوید اکیڈمی، ملتان، ۱۹۸۰ء) ص: ۲۰۹

۲۱۔ خالد سعید، ڈاکٹر (نگرانِ اعلیٰ) اقبال کا نظریۂ ثقافت، فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، مضمون (شعبہ تحقیق و مطبوعات،

Marfat.com

ادارہ ثقافت پاکستان اسلام آباد، جون۱۹۸۲ء)ص: ۴۵

22- Encyclopaedia of Britannica, USA.15th Edition, 1982, Vol:4, P-657

۲۳۔ظفراللہ، خالد، ڈاکٹر،تہذیب وثقافت ''غیرمسلم اقوام سے مشابہت'' (ماہنامہ محدث لاہور، اپریل۲۰۰۲ء) ص: ۳۲

۲۴۔قومی انگریزی اردولغت (مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۱۹۹۲ء)ص: ۳۶۳

۲۵۔ایضاً // // // ص: ۵۰۰

۲۶۔ پانی پتی، محمد اسماعیل، مولانا، مقالاتِ سرسیّد (مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اوّل: ۱۹۶۲ء)۲/۶۔۳

۲۷۔سبطِ حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء (مکتبہ دانیال، وکٹوریہ چیمبر۲، عبداللہ ہارون روڈ، کراچی، طبع چہارم: ۱۹۸۳ء)ص: ۱۷

28- Begovic, Alija, Ali Izet, Islam Between East and West (American Trust Publications, 1991 A.D.) P-45.

۲۹۔ جلالپوری، علی عباس، روایات تمدن قدیم (تخلیقات لاہور،۲۰۰۲ء)ص: ۹

۳۰۔سبط حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، ص: ۱۳

31- Encyclopaedia of Britannica (Ceylon Congreve USA. 15th Edition, 1982) 4/657.

۳۲۔کرین برنٹن، جان بی کرسٹوفر، رابرٹ ایل۔ ولف، تاریخ تہذیب، حصہ اوّل، ترجمہ مولانا غلام رسول مہر (شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور، طبع: اوّل ۱۹۶۵ء)ص: ۳۳

۳۳۔ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، ص: ۱۹

۳۴۔ایضاً // // //ص: ۳۶،۳۷

۳۵۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اوّل: ۱۹۶۹ء) ۶۶۳/۴

۳۶۔افتخار حسین آغا، ڈاکٹر، قوموں کی شکست وزوال کے اسباب کا مطالعہ (ایک دعوتِ فکر) (مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۹ء)ص: ۲۵

۳۷۔ محمد قطب، الانسان بین الاسلام والمادیۃ، مترجم: سجاد احمد کاندھلوی، ترجمہ بعنوان: اسلام اور جدید مادی افکار (اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، طبع سوئم: ۱۹۸۴ء)ص: ۲۲۶

۳۸۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۰ء)ص: ۳۵

Marfat.com

۳۹۔ایضاً،، ص:۱۲۰

۴۰۔معین باری، روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۷رمئی ۲۰۰۳ء، ص:۶

۴۱۔ عویس عبدالحلیم، ڈاکٹر، عظمت رفتہ، ترجمہ: ڈاکٹر یاسین مقتدیٰ حسن (ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السّلفیہ بنارس) ص:۱۳۶

42-Pillage of Baghdad Museum, Daily "Dawn", April 19,2003.

۴۳۔افتخار حسین، آغا، ڈاکٹر، قوموں کی شکست وزوال کے اسباب کا مطالعہ، ص:۱۶

44- Huntington, Samual P. The Clash of Civilizations and Remaking of World Order (Penguin Books, India, 1997) P-42

۴۵۔ہیکل، محمد حسین، حیاتِ محمد ﷺ، ترجمہ: ابو یحییٰ امام خان (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۷ء) ص: ۴۷

۴۶۔زرٹمین۔آئی۔ولیم، جمہوریت اور اسلام: ایک ثقافتی جدلیاتی استدلال، ترجمہ: تورا کینہ قاضی، مجلّہ مغرب اور اسلام، اپریل رستمبر ۲۰۰۲ء (انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد) ص: ۶۳

۴۷۔فرِتجوف شُواَون 'Understanding Islam' اردو ترجمہ: سیّد سلیم گیلانی، ترجمہ بعنوان: تفہیم اسلام (علم وعرفان پبلشرز لاہور، ۲۰۰۰ء) ص: ۴۲

۴۸۔مودودی، ابوالاعلیٰ، سیّد، تحریکِ آزادی ہند اور مسلمان، ترتیب: خورشید احمد (اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، گیارہویں اشاعت: ۱۹۸۴ء) ۱/۴۴

۴۹۔حجازی، فخر الدین، نقشِ پیغمبرانؑ در تمدنِ جہاں، ترجمہ: ڈاکٹر ریاض احمد، ترجمہ بعنوان: تمدن انسانی پر انبیاءؑ کے اثرات (مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۱ء) ص: ۵۸

۵۰۔ولیم للّی، تعارف اخلاقیات، ترجمہ: سیّد محمد احمد سعید (شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ: کراچی یونیورسٹی کراچی، بہ تعاون: مقتدرہ قومی زبان) ص: ۲۷۴

51- M. M. Sharif, A History of Muslim Philosophy, (Royal Book Company Karachi-3) 1/6.

۵۲۔ فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل (ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۹ء) ص: ۱۱۲، ۱۱۳

Marfat.com

باب دوم

اسلامی تصوّرِ تہذیب

معنی و مفہوم

دینِ اسلام کا بنیادی موضوع انسان کی اصلاح و فلاح ہے۔ خالقِ کائنات نے انسان کو اپنے خلیفہ نائب کی حیثیت سے خطۂ زمین پر بھیجا اور اس کے لیے رشد و ہدایت کا خصوصی اہتمام کیا تاکہ یہ فطری تقاضوں کے مطابق معاشرے کی تشکیل کرے اور معاشرے میں اپنا بھرپور انسانی کردار ادا کرے۔ حقیقت میں اسلام کا مقصد سراسر نسلِ انسانی کی فلاح ہے اور اس مقصد کے لیے جو نظام تہذیب و ثقافت متعارف کرایا گیا ہے وہ ہمہ گیر ہے۔ اس نظامِ تہذیب و ثقافت کی آبیاری میں بنیادی طور پر قرآنی پیغام کارفرما ہے۔

عطش درانی اسلامی تہذیب و ثقافت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''ہمارے نزدیک اسلام ایک مکمل ثقافت ہے۔ اس کا واحد معیار تقویٰ ہے۔ جو زندگی، اس کے طرز اور مظاہر کو پرکھتا ہے۔ خدا کی خوشنودی یعنی اقرارِ توحید (زبانی و عملی) وہ بنیاد ہے جس پر اسلامی ثقافت کی عمارت اُستوار ہوتی ہے۔ ہر وہ ثقافتی مظہر جو اقرارِ توحید کرتا ہے، جس میں تقویٰ کی جھلک پائی جاتی ہے، اسلامی ثقافت کا مظہر ہے اور مسلمانوں کا ہر وہ طرزِ عمل جو اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے، غیر اسلامی ہے۔ خواہ مسلمانوں نے اُسے کتنا ہی سینوں سے لگا رکھا ہو۔''(۱)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں:

> ''تہذیب کیا ہے؟ اس سوال کے بے شمار جوابات ہمارے سامنے ہیں۔ کسی نے موسیقی و مصوری کو تہذیب سمجھا۔ کسی نے بُت تراشی و بُت پرستی کو اور کسی نے رقص و بادہ

Marfat.com

کولیکن اسلام کا تصورِ تہذیب سب سے جداگانہ ہے، لفظ ''تہذیب'' کے معنی ہیں ''سجانا۔۔۔آراستہ کرنا اور حسین بنانا۔'' ہمارے ہاں ہر وہ تصور اور عمل جزوِ تہذیب ہے جو ہماری شخصیت کو حسین اور ہمارے تمدن کو عظیم بنائے' نیز ہماری دُنیا و آخرت دونوں کو سنوارے۔''(۲)

ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

''اسلامی ثقافت'' سے ہماری مراد وہ ثقافت ہے جس کا مرجع ومحور اسلام ہو۔ خواہ معاملہ اس کے مصادر ومراجع کا ہو یا اس کے اصول اور بنیادوں کا یا اس سے تعلق رکھنے والے علوم کا جو اس سے پھوٹ کر نکلے ہوں اور یہ بالکل فطری بات ہے۔''(۳)

اسلامی تہذیب کا ماخذ ومنبع

اسلامی تہذیب وتمدن کا سرچشمہ اور ماخذ ومنبع قرآن وحدیث ہے۔ چنانچہ ہر وہ بات جو براہِ راست یا بالواسطہ قرآن وحدیث سے متصادم ہے' اسلامی تہذیب وثقافت کے زمرے میں نہیں آسکتی۔ اسلامی تہذیب وتشخص کو ثابت کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کا حوالہ ناگزیر ہے۔

محمد مارماڈیوک پکتھال اپنے مضمون ''اسلامی ثقافت کا مفہوم'' میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''اسلامی ثقافت پر ہمیشہ ہی سے دینی اثر قائم رہا ہے اور یہ دینی رنگ ہی اس کی روحِ رواں ہے۔ اگر دین پسِ پردہ رکھا جائے تو پھر یہ ثقافت کچھ اور ہو سکتی ہے لیکن اِسلامی نہیں ہو سکتی۔ اس میں ہر چیز کا جواز اور سند مذہب ہی سے حاصل ہوتی ہے جو ہدایات واحکامات الٰہیہ کا مجموعہ ہے۔''(۴)

اسلامی تہذیب وثقافت یا اسلامی کلچر میں جب تک قرآنی روح کی کارفرمائی نظر نہ آئے، اُسے اسلامی تہذیب کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اسلامی تہذیب کا تقاضا ہے کہ اہلِ اسلام کے طرزِ معاشرت کے ہر پہلو میں قرآنی تعلیمات سے استفادہ کیا جائے اور کسی بھی صورت میں حق وباطل کو باہم خلط ملط نہ ہونے دیا جائے۔ ''وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ''(۵)

ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ کے قرآن نمبر کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ:

''اسلامی ثقافت بنیادی طور پر قرآنی ثقافت ہے۔ یہ معاش ومعاد، حلال وحرام اور جائز وناجائز غرض تمام مسائل میں قرآن کو راہنما قرار دیتے ہوئے، احکامِ الٰہی کے سامنے کامل سپردگی کا رویہ اختیار کرتی ہے۔''(۶)

Marfat.com

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں:

''قرآنِ حکیم ایک ایسا نورِ ہدایت ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ثقافت کی تزئین و تحسین (اصلاح) کر سکتا اور اس کی ترقی کے لامتناہی امکانات کو قوت سے فعل میں لا سکتا ہے۔۔۔ایک حقیقت جس کو علمائے مغرب اور مستشرقین نے ہمیشہ مسلمانوں سے بالخصوص اور غیر مسلموں سے بالعموم پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ہے' یہ ہے کہ اسلامی ثقافت کا اصل سرچشمہ اور نمونہ جنت (کا تصور) ہے، جس نے مسلمانوں کی ثقافتی زندگی کو حسین سے حسین تر بنانے میں ازبس اہم کردار ادا کیا ہے۔''(۷)

امیر شکیب ارسلان کہتے ہیں کہ مشرقی تہذیب اسلامی تہذیب کی مرہونِ منت ہے، جس کا سرچشمہ قرآن ہے۔

''کیا اسلام کے حاسد یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام کے ظہور کے وقت مشرقی تہذیب گم ہو چکی تھی اور اسلام نے اُسے نہ صرف ازسرِنو زندہ کیا بلکہ اُسے موتیوں کی طرح سیپیوں سے نکالا، اُسے صاف کیا، اس پر اسلام کی مہر ثبت کی اور اُسے قرآن شریف کے آداب سے مزین کر کے مشرق و مغرب میں پھیلایا۔ چنانچہ یہی وہ باتیں ہیں جن کا بعض مخلص علمائے فرنگ کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ اسلام کی تہذیب اور مدنیت کسی دوسری قوم سے مستعار نہیں لی گئی بلکہ یہ وہ تہذیب ہے جو قرآنِ کریم کے سرچشمہ سے نکلی اور توحید کے عقیدہ سے اس کی ترقی ہوئی۔''(۸)

منشی عبدالرحمٰن خان روحانیت اور اخلاقیات کو اسلامی تہذیب کی بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تہذیب کے معنی ذہنی نشوونما اور سنوارنے کے ہیں۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد روحانی اور اخلاقی اصولوں پر رکھی گئی۔ اس کے پیشِ نظر پوری انسانیت کی فلاح و صلاح اور کامیابی و کامرانی ہے جو وہ انسانی قوتوں اور قابلیتوں کو نشوونما دے کر حاصل کرنا چاہتی ہے۔''(۹)

سیّد حسین نصر اسلامی تہذیب کو باقاعدہ نظریاتی تہذیب قرار دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

"Islamic civilization as a whole is, like other traditional civilizations, based upon a point of view: the revealation brought by the Prophet Muhammad (Peace be upon him) is the "pure" and simple religion of Adam

Marfat.com

and Abraham, the restoration of primordial and fundamental unity."(10)

ترجمہ: (اسلامی تہذیب بحیثیت مجموعی دیگر روائتی تہذیبوں کی مانند ہے، جن کی بنیاد کسی نکتۂ نظر پر رکھی گئی ہو۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا الہام (دین) ہے۔ یہی آدمؑ وابراہیمؑ کا بھی خالص اور سیدھا سادہ مذہب ہے۔ اس تہذیب کا مقصد ازلی واساسی وحدتِ انسانی کے تصور کی بحالی ہے۔)

اگرچہ الہامی مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن یہ مذہبی تقاضوں کے منافی رجحان ہے جو بعد میں پیدا ہوا۔ ورنہ تمام الہامی مذاہب کی اصل ایک ہے اور ان سب کے درمیان مشترک قدریں موجود ہیں۔ یہ صرف شریعت محمدی ﷺ ہے، جس نے صحیح معنوں میں دین فطرت کی حیثیت سے پوری دیانتداری کے ساتھ بات کرتے ہوئے گزشتہ مذاہب کو صحیح تر تناظر میں پیش کیا۔ یہی وحی والہام اسلامی تہذیب کا اصل سرچشمہ ہے۔ جو حرف بہ حرف سچائی اور علمی وعملی دیانتداری کا دوسرا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب سچائی کی امین ہے۔

اسلامی تہذیب کا دائرۂ کار

اسلام ''شریعتِ محمدی ﷺ'' کی شکل میں مکمل دین ہے۔ اس کا پیش کردہ نظام فکر وعمل نہ صرف یہ کہ ہر دَور کے انسان کے لیے ہے بلکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ہر پہلو کے لیے واحد قابلِ عمل ضابطہ ہدایت بھی۔ اسلام کا پیروکار اپنے کردار کی صداقت منوانے کے لیے اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو اللہ کے دین کے تابع کردے اور کسی بھی خواہش کی تکمیل وتسکین کے لیے صرف وہی راستہ اور طریقِ کار اپنائے جس کا تعین دین میں کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"لا یومِنُ احدکم حتٰی یکون ھواہٗ تبعًا لِمَا جئت بہ"(11)

ترجمہ: (تم میں سے کوئی بھی اُس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک اُس کی خواہشات میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہیں ہوجاتیں۔)

اور اسی طرح

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً"(12)

ترجمہ: (مسلمانو! دائرہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔)

گویا اسلامی تعلیمات (قرآن وحدیثِ نبوی ﷺ) کا دائرہ انسان کی پوری زندگی پر محیط

Marfat.com

ہے۔ یہ تعلیمات انسان کی خواہش کو ''Chanalize'' کرتی ہیں اور زندگی کے ہر فکری و عملی پہلو کے لیے ایسے راہنما اصول فراہم کرتی ہیں جن کے پیچھے ناقابلِ تردید حق وصداقت پر مبنی نمونۂ عمل (اُسوۂ حسنہ) کارفرما ہے۔

تہذیب وثقافت چونکہ کسی قوم کی معاشرت کا نام ہے لہٰذا اسلامی تعلیمات جس تہذیب و ثقافت یعنی طرزِ معاشرت کی آئینہ دار ہیں اُس کے ذیل میں صرف معاشرتی زندگی کے چند مخصوص پہلو ہی زیرِ بحث نہیں آتے بلکہ اسلام مکمل دین ہونے کے ناتے تہذیب وتمدن یا ثقافت کا ایک مکمل اور جامع تصور پیش کرتا ہے، جس میں انسانی فکر وعمل کے ہر زاویے کی اصلاح وتہذیب کا بھرپور اہتمام ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ثقافت سے صرف کسی قوم کی مخصوص سرگرمیاں اور اُس کے فنونِ لطیفہ مُراد لیے جاتے ہیں۔ تو اس کے پیچھے خاص سبب کارفرما ہے، جو اسلامی ثقافت کے حوالے سے تشویشناک بھی ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں کہ:

> ''اُردو میں مخصوص ثقافت کی اصطلاح کے ساتھ ایک عبرتناک حادثہ پیش آیا ہے کہ وہ اپنے معانی کی رفعت ووسعت سے محروم ہو کر محدود ومتبذل مفہوم میں استعمال ہونے لگی اور مدرسے سے نکل کر نگارخانے میں چلی گئی ہے اور اس سے عموماً رقص وسرود، تمثیل نگاری، فنکاری وغیرہ مراد لی جاتی ہے۔ اس طرح اس کی معنوی جولانگاہ سمٹ کر فنونِ لطیفہ تک محدود ہو گئی ہے۔ ایسا کیوں ہوا ہے؟ اس کا سیدھا سادا اور مختصر جواب یہ ہے کہ اسلام دشمن ابلیسی قوتوں نے مسلمانوں کو فکری اور عملی طور پر گمراہ کرنے کے لیے ایک سوچے سمجھے عالمگیر منصوبے کے تحت ثقافت کے مفہوم کو محدود و سوقیانہ بنا دیا ہے۔''(۱۳)

پروفیسر احسان اکبر لکھتے ہیں:

> ''مسلم ثقافت ایسے ہی معاشرے کا عطر ہے، جس کا پھیلاؤ بھی اور مقصود بھی مردانِ مومن کے ظہور کی آرزو ہے۔ حقیقتِ مطلقہ اور حسنِ تمام کی جانب سفر کرنے والے انسانوں کا یہ معاشرہ انسان کو اُس کے تمام امکانات کے ساتھ دیکھ اور دِکھا سکتا ہے۔ اس کے باعث وہ عہد جب اسلام اپنی تمام ثقافتی رعنائی سے ظاہر ہوا، انسانی کردار کی عظمتوں کی رنگارنگی سامنے لے آتا ہے۔ ایسی رنگارنگی جو ایک بہت بڑے تہذیبی

Marfat.com

عمل اور قرنوں کے ثقافتی رچاؤ سے ہنر وفن کے مختلف میدانوں میں ظاہر ہوا کرتی ہے۔ مقامِ حیرت ہے کہ یہ وسعت و رعنائی حضور ﷺ کے برپا کیے ہوئے اسلامی معاشرے میں صرف دس برس کے قلیل عرصے میں ظاہر ہوگئی۔''(۱۴)

بہت قلیل عرصے میں اسلامی تہذیب وثقافت کا فروغ واستحکام اور پھیلاؤ اس کے فطری اور مبنی برسچائی ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس کا دائرہ کار ایک طرف ایک فرد کی پوری زندگی پر محیط ہے تو دوسری طرف یہ پورے معاشرے پر بھی حاوی ہے۔

منشی عبدالرحمٰن خان کے بقول:

''اسلامی ثقافت کی روح وہ قومی روایات ہیں جو عہدِ رسالت، عہدِ خلفائے راشدین، عہدِ صحابہ کرامؓ، عہدِ تابعین وتبع تابعین کی یادگار ہیں۔ اسلام چونکہ عالمگیر مذہب ہے اور پورا عالم اس کے وطن کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے دوسری قوموں کی ثقافت کی طرح، اسلامی ثقافت نہ ملکی آب وہوا سے متاثر ہوتی ہے، نہ وہ جغرافیائی حدود کے اندر محدود ہوتی ہے۔ مسلم ثقافت چودہ سو سال سے ایک نہج پر چلی آ رہی ہے۔''(۱۵)

اکبر ایس احمد لکھتے ہیں:

"Islam is an entire civilization; it is a philosophy of life."(16)

ترجمہ: (اسلام ایک اجتماعی تہذیب ہے، یہ فلسفۂ زندگی ہے)

گویا دین اسلام نے ایسی تہذیب کی تخلیق کی ہے جو ہمہ گیر ہے، جو پوری حیاتِ انسانی پر محیط ہے اور جس میں مقصدِ زندگی کا بھرپور فلسفہ جو کہ فطرت سے قریب تر ہے، پایا جاتا ہے۔

○○○

Marfat.com

اسلامی تہذیب کی وسعت

کاروانِ تہذیب کی قیادت

اسلامی تہذیب میں اقوامِ عالم کی تہذیبوں کی قیادت اور اصلاح کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہے۔ کسی بھی قوم کی تہذیب میں پائی جانے والی کوئی بھی خوبی اسلامی تہذیب سے ماخوذ ہے۔ سیارہ ڈائجسٹ کے ''قرآن نمبر'' کے مدیر نے لکھا ہے کہ:

''قرآن قافلۂ تہذیب کا مستقل راہنما ہے اور اس نے اوّلین راہنمائی اُس وقت دی جبکہ دنیا کا بیشتر حصہ تہذیبی لحاظ سے انتہائی پستی اور تاریکی میں گھرا ہوا تھا اور جہاں تمدن تھا، (روم و ایران) وہ باوجود پرشکوہ ہونے کے اپنے باطن میں سڑ چکا تھا۔ ایسے سڑے ہوئے تمدن کے سائے میں انسانیت ایک عذاب سے دوچار تھی اور راہِ نجات نہیں مل رہی تھی، قرآن نے ان پُرشکوہ تمدنوں کے بگڑے ہوئے کارپردازوں اور اُن کے کوہلو میں پستے ہوئے عوام کے بجائے ایک بدوی قوم کو منتخب کیا اور قرآن کا یہ معجزہ تاریخ میں ہمارے سامنے موجود ہے کہ وہ بدوی قوم قرآن کے دیے ہوئے شعور اور ذوق اور اخلاق سے مالا مال ہو کر اُٹھی تو نہایت تیزی سے پہلے ایک منظّم و متمدن معاشرے میں تبدیل ہوئی اور پھر وہ ساری دنیا کے لیے معلمِ تہذیب بن گئی۔''(۱۷)

پین اسلامزم کے مصنف بی۔ کے۔ نریان لکھتے ہیں:

"Islam made its appearance in the world at a time when the older civilizations, i.e.,the byzantine, the persian

Marfat.com

and indian civilization had decayed and the people everywhere were looking for a release from the class and caste systems which was a oppressive common characteristic of the older civilizations."(18)

ترجمہ: (اسلام دُنیا میں اُس وقت ظہور پذیر ہوا جب قدیم تہذیبیں مثلاً بازنطینی، ایرانی اور ہندوستانی تہذیبیں خشک ہو چکی تھیں اور ہر جگہ لوگ جابر طبقے اور ظالمانہ نظاموں سے نجات کے منتظر تھے جو کہ قدیم تہذیبوں کی مشترک خصوصیت تھی۔)

ڈاکٹر آغا افتخار حسین تاریخی تناظر کا جائزہ لیتے ہوئے اسلامی تہذیب کی زرخیزی، انقلاب آفرینی اور دنیا کی تہذیبوں کی راہنمائی کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ:

''انسان کی تہذیبی تاریخ میں اسلام کی حیثیت ایک دینِ فطرت ہی کی نہیں، ایک عظیم ذہنی اور معاشرتی اِنقلاب کی بھی ہے۔ اسلام کے ظہور کے وقت دنیا شدید تہذیبی انحطاط سے دوچار تھی۔ آج کا تہذیب یافتہ یورپ قرونِ وسطیٰ کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ وادی نیل، وادی دجلہ وفرات اور وادی سندھ کی قدیم تہذیبیں عروج پر پہنچ کر زوال کا شکار ہو چکی تھیں۔۔۔ یونانی افکار کا یہ سنہری دَور بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس عرصے میں یورپ میں مملکتِ روما تہذیب کی ایک نئی نوید لے کر اُبھری تھی لیکن۔۔۔ یہ عظیم مملکت (تہذیب) بھی زوال آمادہ ہوگئی۔ اس طرح مشرق اور مغرب میں تہذیب کا ایک خلا پیدا ہوگیا۔ اس خلاء کو اسلام نے نہایت کامیابی سے پُر کیا۔''(19)

تہذیبی ترقی کے لیے ذہنی ارتقاء ضروری ہے، اس لیے کہ فکر ونظر کا تعلق انسانی ذہن سے ہے۔ انسان کا ذہن جس قدر صاف اور حقیقت پسند ہوگا اُتنا ہی وہ فطرت سے قریب تر اور فکری ارتقاء کا حامل ہوگا۔ نتیجتاً جب یہ رویہ مضبوط اور پائیدار تہذیب وثقافت کی ترقی میں کارفرما ہوگا تو وہ تہذیب یقیناً دوسروں کے لیے میرِ کارواں کی حیثیت سے قابل قبول ہوگی۔ اسلام نے ایسی ہی تہذیب کو پروان چڑھایا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف مغربی مفکرین کو بھی ہے۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے ایک مغربی دانشور، ایس۔ پی۔ ہنٹنگٹن کا کہنا ہے کہ:

"Between the eleventh and thirteenth centuries, European culture began to develop, facilitated by the eager and systematic appropriation of suitable elements

Marfat.com

from the higher civilizations of Islam and byzantium, together with adoptation of this inheritence to the special conditions and interests of the west."(20)

ترجمہ: (یورپی ثقافت نے مغرب کے مخصوص حالات اور مفادات کے تحت گیارہویں اور تیرھویں عیسویں صدیوں کے دوران اعلیٰ اسلامی اور بازنطینی تہذیبوں سے موزوں عناصر کا باقاعدہ تناسب اخذ کرتے ہوئے ترقی کا آغاز کیا۔)

اسی طرح ایک اور مغربی مفکر ''Ingmar-carlson'' نے ۳۰/نومبر ۱۹۹۵ء کو انسٹی ٹیوٹ فار پولیٹیکل اینڈ انٹرنیشنل سٹڈیز (تہران) میں ''اسلام اور مغرب'' کے موضوع پر خطاب کے دوران یہ اعتراف کیا تھا کہ:

''ہماری تہذیب اور تمدن، اسلام کے کس قدر ممنونِ احسان ہیں، اور مسلمان علماء نے ان یونانی علوم وفنون کی ترقی وتحفظ میں جنہیں ہم مغربی تہذیب کی بنیاد قرار دیتے ہیں، کیا کردار ادا کیا، اس بارے میں لوگ بہت زیادہ واقف نہیں۔ مسلمانوں نے نہ صرف قدیم یونان اور روم کا فکری سرمایہ محفوظ رکھا بلکہ انہوں نے تشریح وتعبیر کے ذریعے اس میں اضافے کیے' اور انسانی تلاش وجستجو کے متعدد میدانوں میں اُن کے کارنامے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔''(۲۱)

مذکورہ بالا حوالہ اس تاثر کو تقویت پہنچاتا ہے کہ اسلام' علوم اور تہذیب کا سرچشمہ ہے اور باقی اقوام نے علمی وتہذیبی طور پر اسلام ہی سے استفادہ کیا ہے۔ خواجہ کمال الدین لکھتے ہیں:

''اسلام سے پہلے اگرچہ مختلف قومیں کارگاہِ ہستی میں برسرِ اقتدار ہوئیں جنہوں نے تہذیب وتمدن کو اپنا نصب العین قرار دیا، لیکن تہذیب کا وہ نظریہ اور اس کے حصول کا وہ طریقہ جو آج عام طور سے مسلم اور مقبول ہے' اسی دن دنیا کو نصیب ہوا جس دن قرآن کریم نے اس حقیقت کا درس دنیا کو دیا اور قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے اس ہدایت کو اپنا دستور العمل بنایا۔''(۲۲)

اسلامی تہذیب ومعاشرت کے حوالے سے شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ نے اپنی تصنیف ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں بھرپور بحث کی ہے۔ انہوں نے اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب وثقافت کے فرق کی وضاحت دلائل کی روشنی میں کی ہے اور اسلامی طرزِ زندگی کو جامع اور ہمہ گیر تہذیب ثابت کیا ہے۔ شمس تبریز خان نے شیخ الاسلام کی اس کتاب کا تلخیص وترجمہ کیا ہے اور جابجا خوبصورت تبصرہ

Marfat.com

بھی کیا ہے۔ یہ ترجمہ و تلخیص ''اسلام اور غیر اسلامی تہذیب'' کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ :

''پھر دین کامل کے آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگلی (پہلی) شریعتیں اور تہذیبیں ناقص تھیں یا بعد میں ان میں نقص پیدا ہو گیا۔ اس لیے کہ اگر وہ آخری سچائی ہوتیں تو پھر نئے دین، نئی کتاب اور نئے رسول ﷺ کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس لیے آیا تھا کہ تہذیبوں کو سہارا دے اور ان کے صالح نقوش کو اُبھارے۔ مذاہب کی تجدید و اصلاح کرے' وقت کی مانگ اور زمانے کے تقاضے کو پورا کرے، تاریخِ انسانیت کے خلاء کو بھر دے اور فکر و نظر کی خلیج کو پاٹ دے۔''(۲۳)

ڈاکٹر عبدالرؤف نے سیارہ ڈائجسٹ کے ''قرآن نمبر'' میں لکھا ہے کہ :

''اسلامی ثقافت تمام ثقافتوں کا سنگم اور توازن ہے اور انتہا پسندی کی مخالف ہے۔ حتیٰ کہ آرٹ اور ادب میں بھی توازن اور اعتدال کی حامی سائنس کو اس ثقافت نے پروان چڑھایا مگر حدِ اعتدال سے باہر نہیں نکلنے دیا۔''(۲۴)

اکبر ایس احمد☆ لکھتے ہیں:

"It is well to recall that Islam not only caused Islamic civilization to develop but also enabled the European renaissance to take root and grow. The time when Islam was most strongly established was also the time when art, culture and literature flourished, whether in spain or, later, under the ottomans, the safavids and the mughals. Christian Europe was enveloped in darkness untill Islam came to the Iberian peninsula. For centuries Islam feeded Greek, Sanskrit and Chinese ideas into Europe. Slowly and steadily Europe began to absorb these ideas."(25)

ترجمہ: (یہ یاد دہانی اچھی بات ہے کہ اسلام صرف اسلامی تہذیب کی ترقی کا سبب نہیں بنا بلکہ

☆ (اکبر ایس احمد، ایک ممتاز Anthropologist اور مصنف، اسلامی امور کے تبصرہ نگار، پرنسٹن اور ہارورڈ یونیورسٹی میں وزٹنگ پروفیسر اور فیچر فلم ''جناح'' کے ایگزیکٹو پروڈیوسر، ۲۰۰۴ء کے پروفیسر آف دی ایئر کے ایوارڈ یافتہ)

Marfat.com

اس نے یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کو بھی جڑ پکڑنے اور نشوونما پانے کے قابل بنایا۔ وہ دور کہ جب اسلام سب سے زیادہ مضبوطی سے قائم تھا' اُسی دَور میں آرٹ، کلچر اور ادب نے بھی ترقی کی، خواہ سپین ہو یا اس کے بعد عثمانی ترکوں' صفویوں اور مغلوں کے دَورِ حکومت میں۔ عیسائی یورپ اندھیرے میں لپٹا ہوا تھا یہاں تک کہ جزیرہ نما آئبیریا میں اسلام کی آمد ہوئی۔ اسلام نے صدیوں تک یونانی، سنسکرت اور چینی تصورات کو خوراک مہیا کی۔ رفتہ رفتہ یورپ نے مستقل مزاجی سے ان نظریات و خیالات کو جذب کرنا شروع کر دیا۔)

اسلامی تہذیب کے دیگر تہذیبوں پر اثرات

امجد حیات ملک لکھتے ہیں:

''یورپ کی صدیوں پرانی اخلاقی اور علمی ویرانی کے دَور میں اسلام نے ترقی کے ہراول دستے کی قیادت کی۔ عیسائیت نے اپنے آپ کو قیصر روم کے تخت پر تو متمکن کر لیا لیکن اقوامِ عالم کی ہدایت اور راہنمائی میں ناکام رہی۔ چوتھی صدی سے بارہویں صدی عیسوی تک یورپ پر چھائے ہوئے ظلمتوں کے پردے دبیز سے دبیز تر ہوتے چلے گئے۔ کلیسا نے وہ تمام راہیں جن سے علم، انسانیت اور تہذیب کا دَور وارد ہو سکے مسدود کر دیں۔۔۔ لیکن پھر بھی وقت کے ساتھ اسلام کے بابرکت اثرات عیسائی دنیا میں پہنچ کر محسوس ہونے لگے۔''(۲۶)

یورپ کی جہالت اور تہذیب سے ناآشنائی ایک تاریخی ریکارڈ ہے اور یہ بھی کہ یورپ کی تاریک راہیں اسلامی علم و دانش اور تہذیب و تمدن کے چراغوں سے روشن ہوئیں۔ غیر جانبدار مغربی مؤرخین نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور اسے یورپ پر مسلمانوں کا احسان تسلیم کیا ہے کہ اسلامی تہذیب و ثقافت نے اُس دَور کی غیر مہذب اقوام میں علمی بیداری اور تہذیبی انقلاب کی روح پھونکی۔

''عرب دنیا'' کی مصنفہ ڈاکٹر نجلاء عزالدین☆ نے لکھا ہے کہ:

''تیرھویں صدی (عیسوی) کے دوران میں جو لوگ یورپ کے ذہنی راہنما تھے۔ انہوں نے مسلم تہذیب کی برتری کا اعتراف کیا ہے۔ راجر بیکن کی نظر میں عیسائیوں کے مسلمانوں سے شکست کھانے کا سبب یہ ہے کہ عیسائی سامی زبانوں اور اطلاقی

☆ عربوں میں پہلی پی ایچ ڈی خاتون مصنفہ۔

Marfat.com

سائنس (Applied Science) سے ناواقف تھے اور مسلمان ان میں بڑے ماہر تھے' مسیحیت کے بڑے بڑے اساتذہ پر مسلم تخیل کا رنگ بہت گہرا چڑھا ہوا تھا۔''(۲۷)

علم وعرفان اور رشد وہدایت کا اصل سرچشمہ الہامی تعلیمات ہیں، جو بھی اس سرچشمے سے سیراب ہوا اور سامی زبانوں کی معرفت دنیا میں گھوما پھرا اُس نے تاریخ میں ایسا مقام بنایا کہ غیروں نے بھی اُن کی عظمت کا اعتراف کیا اور اُن کے حوالے سے اپنی خامیاں اور خرابیاں دُور کرنے کی کوشش کی۔

برطانیہ میں بہت سے مسلمان آباد ہیں جو اپنا الگ تشخص قائم کیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ''Leicester Shire'' میں ''مارک فیلڈ انسٹی ٹیوٹ آف ہائر ایجوکیشن'' کے نام سے عظیم الشان تعلیمی ادارہ قائم کر رکھا ہے' جو اپنی مثال آپ ہے۔ مارک فیلڈ کی نئی عمارت کا افتتاح برطانوی شہزادہ چارلس نے کیا اور اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے دینِ اسلام اور اسلامی طرزِ معاشرت کی حقانیت اور جاذبیت کا اعتراف بھی کیا۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور کے سنڈے میگزین مورخہ ۱۶ مارچ ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں مضمون نگار نے تحریر کیا کہ:

> ''مارک فیلڈ انسٹی ٹیوٹ کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے برطانوی ولی عہد پرنس چارلس نے اپنی اسلام پسندی کی مہک ہر سُو بکھیری' انہوں نے تاریخی حوالوں سے بتایا کہ عالمی تہذیب کی حُسن کاری میں اسلام کا بہت بڑا کنٹری بیوشن (ہاتھ) ہے۔ مسلمانوں نے انسانی فلاح کے ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ ہم اُن کے احسانوں کا بدلہ نہیں چکا سکتے۔''(۲۸)

جس طرح اسلام دینِ فطرت ہے اسی طرح اس کی پیش کردہ تہذیب بھی فطری تہذیب ہے' جس میں فطری جاذبیت ہے۔ انسان اگر غیر جانبدار ہو جائے خواہ اُس کا مذہب کوئی بھی ہو، اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ دُنیا بھر کی تہذیبوں پر اسلامی تہذیب فائق ہے اور اس کے سب سے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

۱۹۶۸ء میں بھارت میں گرجا گھروں کی کارکردگی کے حوالے سے لندن سے ایک کتاب شائع ہوئی تھی، جس میں اگرچہ مسلمانوں اور ان کے مذہب کو ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ تاہم اس میں اس

Marfat.com

امر کا اعتراف بھی کیا گیا ہے کہ :

''بھارت میں اسلام کئی صدیوں سے موجود ہے۔اس نے اپنے اردگرد لوگوں کو متاثر بھی کیا ہے اور ماحول کا اثر بھی لیا ہے۔''(۲۹)

اسلام اور اسلامی تہذیب نے ہمیشہ دوسرے مذاہب اور تہذیبوں کو متاثر کیا ہے۔ جہاں تک ماحول کا اثر قبول کرنے کا تعلق ہے تو ایسی بات اسلام کی حقانیت اور اسلامی تہذیب کی آفاقیت کے منافی ہے۔ البتہ اسلام میں ہر اس چیز کے لیے گنجائش ہے جو ظاہری و باطنی کسی بھی طرح سے اسلامی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔

احمد عبداللہ ''The Heights'' میں لکھتے ہیں کہ :

"From the time Muslims entered spain, Portugal and Southern Europe, Islam began to spread in these regions but its expansion was slow as elsewhere.A large number of spaniards not only accepted Islam but adopted the Arabic language and Muslim culture enthusiastically."(30)

ترجمہ : (جب سے مسلمان سپین، پرتگال اور جنوبی یورپ میں داخل ہوئے ان علاقوں میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا لیکن یہ پھیلاؤ کسی بھی اور علاقے کی نسبت سست تھا۔ ہسپانوی لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ عربی زبان اور اسلامی تمدن کو بھی جوش وخروش سے اپنایا۔)

Murray T.Titus نے انڈیا میں اسلام کی اشاعت اور اسلامی تہذیب کی اثر پذیری کے حوالے سے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ :

"One interesting feature of the spread of Islam on the Malabar coast was the part of the zamorin of Calicut took in the coming of the Muslims. He is said to have deliberately encouraged the lower castes to become Muslims, in order to have sufficient sailors to man his worships; and to this end ordered that, in every family of fishermen in his dominion, one or more of the male members should be brought up as Muhammadans. Thus

Marfat.com

a Hindu political necessity came to lend a hand to the spread of Islam in south India;..... as well as through converts from this lower castes, who welcomed the coming of Islam as a chance to win a degree of social freedom that Hinduism denied them through its cruel and rigid caste system."(31)

ترجمہ: (مالابار کے ساحل پر اشاعت اسلام کی ایک دلچسپ وجہ کالی کٹ کے "Zamorin" کا لوگوں کے مسلمان ہونے میں کردار تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس نے نچلی ذات کے لوگوں کی آزادانہ طور پر مسلمان ہونے کے بارے میں حوصلہ افزائی کی۔۔۔ اُس نے اس حد تک حکم دیا تھا کہ اُس کی حکومت میں ماہی گیروں کے ہر خاندان کے اندر ایک یا ایک سے زیادہ مردوں کی پرورش مسلمان کے طور پر ہونی چاہیے۔ اس طرح ہندو معاشرے کی ایک سیاسی ضرورت نے جنوبی ہندوستان میں اشاعت اسلام میں ہاتھ بٹایا۔۔۔ ہندوستان کے نچلی ذاتوں سے برگشتہ ہونے والوں نے بھی معاشرتی آزادی کا درجہ حاصل کرنے کا موقع پاتے ہوئے جو کہ ہندومت کے ظالمانہ اور غیر لچکدار ذات پات کے نظام نے انھیں دینے سے انکار کر رکھا تھا، اسلام کی آمد کو خوش آمدید کہا۔)

مساوات، عدل وانصاف اور احسان ومروت جو اسلامی تہذیب کی نمایاں خصوصیات میں سے ہیں اور جن کی بدولت معاشرے کے پسے ہوئے اور مظلوم طبقوں کو ہمیشہ اعتماد اور اطمینان نصیب ہوا ہے' دیگر اقوام اور اُن کے رہن سہن پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ چنانچہ ہندو معاشرہ جو شروع سے ذات پات اور دیگر ظالمانہ رسوم ورواج کی تصویر پیش کرتا رہا ہے، اس کے مظلوم ومحکوم طبقے نے اسلامی طرزِ معاشرت کو اپنے لیے وجہ سکون پایا، اُن میں سے کئی لوگوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلامی تہذیب کے ثمرات سے عملی استفادہ کیا۔

عبدالمجید سالک رقمطراز ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ بعض مسلمان سلاطین وامراء اس مذہب مقدس کے دعویدار ہونے کے باوجود اس کے معیاروں پر پورے نہ اُترے اور اسلام کے لیے ننگ و رسوائی کے موجب ہوئے' لیکن مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اپنے دین کے احکام پر

Marfat.com

کار بند رہ کر اہلِ ہند کے سامنے اسلام اور قرآن کی صحیح تعلیم کا نمونہ پیش کرتی رہی جس سے ہندو قوم نے کافی فائدہ اُٹھایا۔ گو اس فائدے سے پوری طرح بہرہ یاب نہ ہو سکی۔''(۳۲)

''مالدیپ' تاریخ و تہذیب'' کے مصنف ڈاکٹر قاری محمد یونس نے لکھا ہے کہ:

''مالدیپ میں اسلام ایک انقلاب کی طرح آیا اور آن کی آن میں اس نے یہاں کے تمام باشندوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔۔۔ ان کے ذہن بدل گئے۔ اُن کے نظریات و افکار بدل گئے' ان کے عقائد بدل گئے' اُن کے تہوار بدل گئے۔''(۳۳)

احمد عبداللہ' زرتشت اور ہندومت کے پیروکاروں نیز تاتاریوں اور منگولوں پر اسلامی تہذیب کے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Zoroastrians joind the fold of Islam because of the undue advantage priesthood was deriving from its position of power and the resulting chaos with the decadence and destruction of their monarchy. Conversions from Hinduism to Islam were mostly because of caste distinctions which were responsible, for grave injustice to a section of society. Mongols and Tatars accepted Islam due to the advanced cultural, educational and scientific attainments of the Muslims of the period."(34)

ترجمہ: (زرتشتوں نے کلیسا کے بلا جواز فائدہ اُٹھانے کی وجہ سے حلقۂ اسلام میں شمولیت اختیار کی جو کہ پادری لوگ اپنی طاقتور حیثیت سے اخذ کر رہے تھے، جس کے نتیجے میں ان کے اقتدار کی تباہی کے ساتھ ابتری پیدا ہوئی۔ ہندومت سے اسلام کی طرف لوٹنے کی عمومی وجہ ذات پات کے امتیازات تھے جو معاشرے کے ایک طبقے کے ساتھ انتہائی بے انصافی کے ذمے دار تھے۔ منگولوں اور تاتاریوں نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے ترقی یافتہ تمدن اور تعلیمی و سائنسی کارناموں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔)

احمد عبداللہ، افریقی باشندوں اور ہندوستان کے اچھوتوں کے اسلام سے متاثر ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Because of victimization and exploitation by the west

Marfat.com

on the basis of colour and other complexes, a large mumber of people in africa are already joining the fold of Islam. Again it is their need and their requirment which is bringing them to Islam. Similarly is the case of untouchables, in Indian..... These oppressed people feel that the Islamic Society alone, governed by sharia with permanent values and principles can give them positive and definite guarantee of equality and fraternity. It is not Islam which needs them but it is they who need Islam."(35)

ترجمہ: (مغرب کے ہاتھوں رنگ اور دیگر خودساختہ معیاروں کی بنیاد پر ظلم اور استیصال کا نشانہ بننے کی وجہ سے افریقہ کے لوگوں کی بڑی تعداد پہلے ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہورہی ہے۔ دوبارہ یہ ان کی ضرورت ہے' جو انھیں اسلام کی طرف لا رہی ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں اچھوتوں کا معاملہ ہے۔۔۔ یہ پسے ہوئے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ صرف اسلامی معاشرہ ہی انھیں مساوات اور بھائی چارے کی لازمی اور یقینی ضمانت دیتا ہے' جو کہ شریعت کے ذریعے مستقل قدروں اور اصولوں کی روشنی میں قائم ہوتا ہے۔ اسلام کو ان کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ انھیں اسلام کی ضرورت ہے)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق ''یورپ پر اسلام کے احسان'' میں تحریر کرتے ہیں:

''کسی وقت اسلام نے بھی نوآبادیات قائم کی تھیں۔ ہم عرب سے نکل کر جنوب میں ملتان' شمال میں بحیرۂ اسود' مشرق میں چینی ترکستان اور مغرب میں مراکش اور سپین تک جا پہنچے تھے۔ ہم سپین میں آٹھ سو برس رہے۔ ہند پر ہزار سال حکومت کی۔۔۔ ان ممالک کے باشندوں نے ہماری حکومت کو' جس کی بناء عدل و احسان اور علم و عشق پر رکھی گئی تھی اور جس کا مقصد انسان کا رابطہ اللہ سے قائم کرنا تھا۔ اس قدر پسند کیا کہ انہوں نے ہماری تہذیب و مذہب تک کو اپنا لیا۔''(۳۶)

اسلامی تہذیب کا ماخذ دین فطرت ہے۔ فطرت کے اصول سچائی کے آئینہ دار، ہمہ گیر اور قطعی ہوتے ہیں اور فی زمانہ انسانی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ انہی اصولوں کی بدولت اسلامی تہذیب میں فطری کشش اور جاذبیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات دُنیا کے کسی اور نظام اور تہذیب میں

Marfat.com

نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب تاریخ کے ہر دَور میں ممتاز رہی ہے اور دوسری اقوام نے برضا اس سے گہرے اثرات قبول کیے۔ اسلامی تہذیب کا ایک وصف سادگی بھی ہے اور آج اقوامِ عالم تکلفات سے بیزار ہو کر سادہ زندگی کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

''نقوش'' کے ''رسول نمبر'' کے مقالہ نگار نے دینِ اسلام کے تحت معرضِ ظہور میں آنے والی تہذیب کی انفرادیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اسلام کے ظہور نے دنیا کے تختہ پر ایک نئے تمدن اور ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔ دنیا کا فرسودہ نظام بدل کے رکھ دیا۔ دنیا کے اندر بہ انداز نو نظم و نسق قائم کیا' دستور زندگی کی طرح ڈالی۔''(۳۷)

''اسلامی سلطنتیں☆'' کے مصنف کلیفورڈ ای بوسورتھ نے اسلامی تہذیب و تمدن کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> ''فاطمی عہد میں مصر اور قاہرہ نے معاشی خوش حالی اور ثقافتی رنگارنگی دیکھی جس نے معاصر عراق اور بغداد کی ثقافتی بوقلمونی کو بھی گہنا دیا۔''(۳۸)

یہ اس وقت کی بات ہے، جب بغداد تہذیب و تمدن اور علم و فن کا مرکز تھا، جس پر باقی دنیا کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ قاہرہ میں اسلامی تہذیب و تمدن نے بھی دیگر اقوام کو اپنی طرف مائل کیا۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، فکرِ اقبال میں اسلامی تہذیب کی برتری اور اس کے مغرب پر اثرات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''زمانہ حال میں مغرب کے بعض مؤرخین نے فراخدلی سے اور آزادانہ تحقیق سے اس کا اقرار کیا ہے کہ فرنگ کی نشاۃِ ثانیہ میں اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا ایک مؤثر حصہ ہے۔ یورپ نے اس بیداری کے آغاز میں پہلے یہ کیا کہ علوم و فنون میں عربی کتابوں کے ترجمے لاطینی زبان میں کیے اور ایک عرصے تک یہی ترجمے مغرب کا علمی سرمایہ تھے۔ یونانی علوم کو بہت کچھ مسلمانوں نے محفوظ کیا تھا اور جا بجا اپنے اجتہاد سے ان میں اضافہ کیا تھا۔۔۔ مسلمانوں سے مغرب نے اس چیز کو بھی حاصل کیا جسے طبیعی اور تجربی علم یا سائنس کہتے ہیں۔ مسلمانوں نے علوم و فنون کا مدار، مشاہدے اور تجربے پر رکھا تھا اور یہ بات یونانیوں کے ہاں الشاذ کالمعدوم تھی۔۔۔

☆Islamic Dynasties by C.E. Bosworth.

Marfat.com

مغرب کو عصرِ حاضر میں جو عروج اور جو قوت حاصل ہوئی وہ زیادہ تر تجربی سائنس کی رہینِ منت ہے جس کی ابتداء مسلمانوں نے کی۔''(۳۹)

مسز سروجنی نائیڈوؒ☆ (Sarojini Naidu) نے اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور اسلامی تہذیب کی آفاقی صداقت کا اعتراف کیا' جس کا حوالہ مولانا محمد حنیف یزدانی نے اپنی تصنیف میں قلمبند کیا ہے۔

''تاہم میں اپنے آپ کو اس قابل پاتی ہوں کہ اُس عالمگیر اخوت کا آپ کے سامنے اعتراف کروں جس کے نقش میرے دل پر موجود ہیں اور حضرت محمد ﷺ کی پاکیزہ اور شاندار کوششوں کا نتیجہ ہیں۔۔۔ وہ پاک انسان ایک نفرت سے بھرپور' بغض و تعصب سے مخمور دنیا کی طرف آیا اور اس صحرا کے اندر جو اس کی پیدائش کا گہوارہ تھا' ایک نہ مٹنے والی صداقت کا اُس پر انکشاف ہوا۔''(۴۰)

برنارڈ لیوس☆☆ لکھتے ہیں:

"For more than a thousand years, Islam provided the only universally acceptable set of rules and principles for the regulation of public and social life. Even during the period of maximum European influence, in the countries ruled or dominated by European imperial remained independent, powers as well as in those that Islamic political notions and attitudes remained a profound and pervasive influence. In recent years there have been many signs that these notions and attitudes may be returning, albeit in modified forms, to their previous dominance."(41)

ترجمہ: (ایک ہزار سال سے زائد عرصے تک اسلام نے پبلک اور سماجی زندگی کے انتظام کے لیے عالمی طور پر قابلِ قبول واحد مجموعۂ اصول وضوابط مہیا کیا ہے۔ یہاں تک کہ

☆ (۱۸۷۹ء۔ ۱۹۴۹ء) بنگالی برہمن خاندان کی چشم و چراغ' ہندوستانی شاعرہ اور نمایاں سیاستدان، ہندو مسلم اتحاد اور عورتوں کے حقوق کی زبردست حامی' انڈین نیشنل کانگرس کی پہلی خاتون صدر۔

☆☆ برنارڈ لیوس: پرنسٹن یونیورسٹی میں پروفیسر اور دو درجن سے زائد کتابوں کے مصنف۔

Marfat.com

جن ملکوں میں زیادہ سے زیادہ یورپی اثر ورسوخ رہا، جن پر یورپ کی حکومت رہی یا جو ویسے یورپ کی شہنشاہی طاقتوں کے زیرتسلط رہے اور وہ بھی جو یورپی تسلط سے بالکل آزاد تھے' وہاں اسلام کے سیاسی تصورات اور رجحانات کا گہرا اور نفوذ پذیر اثر رہا۔ حالیہ برسوں میں وہ تصورات اور رجحانات اپنے گزشتہ غلبے کی نسبت ترمیم شدہ شکلوں میں ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔)

پروفیسر عبدالصمد نے اپنے ایک مضمون میں ڈاکٹر ڈی رائٹ، کونٹ ٹالسٹائے، ڈاکٹر لین پول، سر ولیم میور، بابو جگل کشور کھنہ، سوشیلا بھائی، گاندھی جی، سوامی دیانند، ڈاکٹر لیبان، مسٹر اچ۔جی۔ ویلز، ڈاکٹر موریس فرانسس، گرونانک سمیت ایک سو سے زائد غیر مسلم دانشوروں، سیاست دانوں اور لیڈروں کی طرف سے پیغمبرِ اسلام اور آپ ﷺ کے پیغام کو پیش کیے گئے خراجِ تحسین کا حوالہ دیا ہے جو نظریۂ اسلام اور اسلامی تہذیب کی فوقیت کا بھی ثبوت ہے۔(۴۲)

○○○

Marfat.com

اسلامی اور مسلم تہذیب وثقافت میں فرق

اسلامی ثقافت کا ماخذ ومنبع لامحالہ اسلامی تعلیمات (قرآن وحدیث) ہی ہیں اور اس میں کوئی بھی دوسری رائے نہیں ہوسکتی' ایمان واسلام کا دعویٰ کرنے والے (مسلمان) اُسی تہذیب وثقافت اور طرزِ زندگی کو اپنانے کے پابند ہیں جس کی نشاندہی اور وضاحت دین اسلام کرتا ہے۔ البتہ داخلی یا خارجی اثرات مثلاً ضعیف الاعتقادی یا فیشن یا ماحول کے اثرات کے باعث اگر مسلمانوں کے اندر دوسری اقوام کے ثقافتی رجحانات اور عملی رویے پیدا ہو جائیں تو اُسے اسلامی ثقافت کا نام نہیں دیا جائے گا بلکہ اُسے اُس دَور کے مسلم معاشرے کی ثقافت کہا جائے گا۔ گویا ہر دَور میں اسلامی ثقافت' مسلم ثقافت تو ہوتی ہے مگر ہر دَور کے مسلمانوں کی ثقافت مجموعی طور پر اسلامی نہیں ہوتی جو کہ ہونی چاہیے۔ یہ فرق بظاہر عجیب سا ہے مگر یہ حقیقت ہے۔

بقول عطش درانی:

> ''مسلمانوں نے مختلف زمانوں میں جن تہذیبوں کا اجراء کیا' جن تمدنوں کی عمارت تعمیر کی اُنھیں ہم مکمل طور پر اسلامی تو نہیں کہہ سکتے البتہ مسلم ثقافت، مسلم تمدن کا نام دے سکتے ہیں۔ ہاں جہاں جہاں ہمیں اسلامی معیارات نظر آئیں ہم انھیں اسلامی ثقافت کے لیے اخذ کر سکتے ہیں۔''(۴۳)

مثال کے طور پر ایسے تہواروں اور رسم ورواج کا' جن کے بارے میں اسلامی تعلیمات خاموش ہیں' مسلمانوں میں رائج پا جانا۔ یا صریحاً غیر مسلم اقوام کے طور طریقوں کو اس طرح اپنا لینا کہ مسلمانوں

Marfat.com

کے عوام الناس اُسے اسلام کا تقاضا سمجھنا شروع کر دیں، جیسا کہ محض خواہش کی پیروی میں فرقہ وارانہ بنیاد پر مختلف مواقعے پر مسلمانوں کے اندر خودساختہ مذہبی تہواروں اور غیر اقوام کے چال چلن اور رجحانات کا رواج پا جانا۔

اسلامی اور مسلم تہذیب وتمدن میں وہی فرق ہے جو اسلامی اور مسلم ریاست میں ہوسکتا ہے، چنانچہ پروفیسر عزیز احمد لکھتے ہیں:

> ''اسلامی ریاست اور مسلم ریاست کے تصور میں جو فرق ہے وہ قابل غور ہے۔ ایک اسلامی مملکت اپنی تعریف کے مطابق۔۔۔ جس طرح قانون کے تاریخی عمل کو ترقی دے اسی انداز میں اس کے جاری رکھنے اور ترقی کے مدارج طے کرانے کی پابند ہوتی ہے۔ لیکن ایک مسلم مملکت لادینی مملکت ہوسکتی ہے یا اسے ایسا بنایا جاسکتا ہے۔''(۴۴)

مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں مسلم عوام الناس کی قیادت اسلام کا طے شدہ ضابطۂ حکمرانی کرتا ہے جبکہ مسلمانوں پر نیم اسلامی یا سیکولر قسم کی حکومت ہو تو اس ریاست کو صرف مسلم ریاست کہا جائے گا یعنی مسلمانوں کی ریاست جن کے زندگی گزارنے کے کچھ یا بہت سے پہلو شعوری یا غیر شعوری طور پر عملاً اسلامی اصولوں سے متصادم ہوسکتے ہیں۔ یہی حال اسلامی اور مسلم تہذیب کا بھی ہوسکتا ہے۔

''اسلامی'' اور ''مسلم'' ثقافت کے درمیان فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا اسلامی نکتہ نظر سے بہت ضروری ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مسلمانوں کا ہر طرزِ عمل اور ہر رسم ورواج خواہ وہ اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق ہو یا خلاف اسے اسلامی تہذیب وثقافت ہی کے نام سے تعبیر کیا جاتا رہے گا اور یہ غلط فہمی مسلمانوں کو اسلامی تشخص اور تہذیب سے دور کرتی چلی جائے گی۔ اسلامی ثقافت کے بارے میں یہ ابہام اصل میں مذہب اور دین کے تصور کے بارے میں مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی چند غلط فہموں کا نتیجہ ہے، جن کی وضاحت ضروری ہے۔

مذہب ــــ ایک جزو زندگی؟

مسلم معاشرے کا بنیادی المیہ یہ ہے کہ لوگ دین کو زندگی کا ایک پہلو سمجھتے ہیں اور اسے مذہبی پہلو کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی نظام زندگی چلانے کے حوالے سے زندگی کو مختلف پہلوؤں میں تقسیم کرتے وقت یہ کہا جاتا ہے کہ انسانی زندگی معاشرتی یا سماجی، معاشی، تعلیمی، ثقافتی اور مذہبی پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ اگر اس تقسیم کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر انسان ''آزاد'' ہے کہ وہ جہاں سے چاہے

Marfat.com

معاشرتی رہنمائی لے، جس سے چاہے معاشی تعلیم پائے، جیسی چاہے تعلیم وتربیت حاصل کرے، جیسی چاہے تہذیب وثقافت کو اپنا لے اور مذہبی پہلو کے تحت چند مخصوص کام مثلاً ارکان اسلام انجام دے لے، لیکن اس سے یہ نقصان ہوگا کہ زندگی کا ہر پہلو دوسرے سے الگ تھلگ ہو جائے گا۔ انسان کو ایک وقت میں مختلف ضابطوں کا پابند ہونا پڑے گا۔ دوسرے لفظوں میں شیرازہ بکھر جائے گا اور مرکزیت ختم ہو جائے گی۔ گویا مذکورہ ''آزادی'' آوارگی پر منتج ہوگی جس سے زندگی کی اصلیت مسخ ہو جائے گی۔

اس خوفناک صورتِ حال سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسانی زندگی صرف ایک ضابطے کی پابند ہو جو اس کے تمام اجزاء کو ہم آہنگ اور تمام پہلوؤں کو باہم مربوط کرے۔ یعنی ہر پہلو کے لیے نظریاتی اور عملی رہنمائی اسی ایک ضابطے سے فراہم ہو۔

اسلامی نکتۂ نظر سے دین، زندگی کا مذہبی پہلو نہیں بلکہ ضابطۂ حیات (Code of Life) ہے جسے مکمل طور پر ایک "Controlling Authority" کی حیثیت حاصل ہے، جو معاشرتی زندگی کے ہر پہلو خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا تعلیمی، تہذیبی ہو یا تمدنی، داخلی ہو یا خارجی، اختیاری ہو یا لازمی، قومی ہو یا بین الاقوامی، کو واضح، قابل عمل اور مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ جب بھی دین کو زندگی کا ''مذہبی پہلو'' سمجھا جائے گا، مختلف شعبہ ہائے حیات میں دین سے وسیع تر انحراف ہوگا اور غیر اسلامی رجحانات اور رویوں پر مبنی تہذیب وثقافت کو اسلامی تہذیب وتمدن کے نام سے مسلم معاشرے میں پنپنے کا موقع ملتا رہے گا۔

دینِ اسلام کے مکمل دین وشریعت اور نظامِ فکر وعمل ہونے کے بارے میں تمام تر عقلی اور نقلی دلائل وشواہد موجود ہیں جو ٹھوس حقائق پر مبنی ہیں۔ تکمیلِ دین کے اعلان پر مشتمل آیت قرآنی حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی جو سورہ المائدہ میں ہے، تاہم اس سے پہلے بھی ایسی بہت سی آیات نازل ہو چکی تھیں، جن سے بڑی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کو شریعتِ محمدی ﷺ کی شکل میں مکمل کیا جا رہا تھا مثلاً:

"هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ"(۴۵)

گویا دینِ اسلام کا اہم تقاضا دیگر تمام ادیان ومذاہب پر غالب آنا ہے اور ہمیشہ کوئی جامع اور مکمل چیز یا ذات یا نظام ہی ناقص اور نامکمل پر غالب آیا کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ دینِ اسلام ختم نبوت ورسالت کا تصور اور عقیدہ پیش کرتا ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس دین کا آغاز ابوالبشر سیدنا آدمؑ سے کیا تھا اسے نبوت

Marfat.com

کے ایک لاکھ سے زائد ادوار میں سے گزارتے ہوئے محمد رسول اللہؐ کی ذات اقدس پر پورا کر دیا۔ گویا خاتم النّبیین ﷺ کی ذاتِ اقدس پر دین اسلام کو مکمل ضابطۂ رُشد و ہدایت اور جامع نظامِ فکر و عمل کے طور پر نازل کیا گیا، جس میں کسی ترمیم یا اضافے اور مزید تکمیل کی گنجائش نہیں۔

اسلامی تہذیب اور تصوّرِ سنت!

اسلامی تعلیمات میں سنت کا تصور کسی تعارف کا محتاج نہیں، مختصر لفظوں میں ''سنت'' سے مراد حضور پیغمبر اسلام محمد رسول اللہؐ کا مبارک طرزِ عمل ہے، جسے ''فعلی حدیث'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اسے قرآن حکیم میں ''اسوۂ حسنہ'' کہا گیا ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں جس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ اقدس میں بہترین نظریاتی و عملی رہنمائی موجود نہ ہو۔ یہی وہ سنت خیر الانام ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ ہے، جس کی تمام تر تہذیب و تعمیر اور ترتیب و تشکیل براہِ راست وحی الٰہی کی روشنی میں ہوئی۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

" مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى o وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى "(۴۶)

ترجمہ: (نبی ﷺ نہ کبھی بھٹکے اور نہ گمراہ ہوئے۔ وہ خواہش کی پیروی میں بات نہیں کرتے بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے)

لہٰذا حیاتِ نبوی ﷺ قرآن حکیم کی بہترین تفسیر بھی قرار پائی اور اہل ایمان کے لیے واجب الاطاعت بھی۔

" فَلَا وَرَبِّكَ لَايُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَاشَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً "(۴۷)

ترجمہ: (آپ کے ربّ کی قسم! لوگ ایماندار نہیں ہوتے جب تک کہ وہ اپنے باہمی معاملات میں آپ ﷺ کو حَکَم نہیں مان لیتے۔ پھر وہ آپ ﷺ کے فیصلے پر تنگ دل نہ ہوں اور اچھی طرح سے تسلیم کریں)

" وَمَآاٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا "(۴۸)

ترجمہ: (جو کچھ رسول ﷺ اللہ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس بات سے روکیں اس سے باز آ جاؤ)

قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث و سنتِ نبوی ﷺ اسلامی تہذیب کا بنیادی ماخذ ہے۔ شریعتِ اسلامی کسی کو یہ حق نہیں دیتی کہ سنت کے شرعی مفہوم کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے اور محض اپنی خواہشِ نفس کی تسکین کے لیے کچھ باتوں کو سنت کے نام پر رائج کرے۔ اس سے اسلامی تہذیب میں

Marfat.com

غیر اسلامی رجحانات داخل ہو سکتے ہیں۔

اسلامی تہذیب اور تصوّرِ عبادت

عبادت اور بندگی کے بارے میں عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''صرف ان باتوں کی پابندی کرنے کا نام عبادت ہے جن کو ''ارکان دین'' کہا جاتا ہے۔ عبادت کا یہ مفہوم انتہائی ناقص اور محدود ہے جس کی رو سے دین کامل کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اور ہر شعبہ زندگی کے لیے دین سے راہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت کا احساس اجاگر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسلام کے تصور عبادت کو اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ''(۴۹)

ترجمہ: (لوگو! اپنے ربّ کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا شاید کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔)

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ''(۵۰)

ترجمہ: (میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔)

یہاں پر اگر عبادت سے مراد رکوع و سجود، تسبیح و تہلیل یا نماز روزہ وغیرہ ہی لیا جائے تو یہ خلاف فطرت ہے کیونکہ انسان کا مقصد زندگی صرف ''عبادت'' بیان ہوا ہے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ کوئی انسان ہمیشہ ایک ہی کیفیت میں رہے یا ایک ہی کام کرتا رہے، جبکہ تصورِ عبادت کو چند افعال و اعمال تک محدود کرنے سے ایسا ہی لازم آئے گا، لیکن یہ رہبانیت ہے جس کی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اِنّی لم اُومر بالرهبانية''(۵۱) ترجمہ: (مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا گیا)

اصل بات یہ ہے کہ اسلام میں عبادت کا تصور لامحدود ہے جو پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ دینِ اسلام میں عبادت و بندگی سے مراد اللہ کے حکم اور قانون کی تعمیل ہے خواہ اس حکم کا تعلق زندگی کے کسی بھی معاملے سے ہو۔ یعنی خواہ نماز روزے وغیرہ کی بات ہو یا معیشت و سیاست اور تہذیب و ثقافت کی۔

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ''(۵۲)

مطلب یہ کہ مسلمان پر صرف ارکان اسلام ہی کی پابندی لازم نہیں ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ ارکان

Marfat.com

کی پابندی کرنے کے بعد باقی زندگی اپنی خواہش یا غیر اقوام کی پیروی میں گزارنے کے لیے آزاد ہوگا۔ بلکہ ارکان اسلام ہی کی طرح وہ اپنی پوری معاشرت اور تہذیب وثقافت میں اسلامی شریعت سے راہنمائی لینے کا پابند ہے۔

دیگر تہذیبوں کے بارے میں اسلامی تہذیبی نکتۂ نظر

اسلامی تہذیب اگرچہ ہر لحاظ سے ممتاز اور منفرد ہے، جو اول وآخر خوبی اور عمدگی کی حامل ہے۔ دیگر اقوام عالم کی تہذیبوں کو بے نقاب کرتی ہے اور باطل کی آمیزش کو برداشت نہیں کرتی۔ تاہم اس کی انفرادیت کا ایک یہ پہلو بھی مسلّم ہے کہ اس میں رواداری کا اصول بھی کارفرما ہے۔ اسلام اس بات کا قائل نہیں ہے کہ دوسری اقوام کی تہذیب وتمدن کو بلا سوچے سمجھے ردّ کر دیا جائے بلکہ کسی بھی حوالے سے اسلام کا نکتہ نظر لازماً مثبت، تعمیری، تحقیقی اور تنقیدی ہے۔ یہ اسلام کی خوبی ہے کہ یہ اقوام غیر کی تہذیب کی اچھی باتوں کی نفی نہیں کرتا۔ بشرطیکہ غیروں کی وہ اچھی بات کسی وقتی مصلحت پر مبنی نہ ہو اور اس کی آڑ میں مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش نہ تیار کی گئی ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام سے پہلے کفار مکہ کی خوبیوں میں سے ایک خوبی مہمان نوازی تھی، اسلام نے بھی اس کی تعلیم دی اور آدابِ مہمان نوازی میں ضروری اصلاحات کرتے ہوئے اس خوبی کو اپنانے کی تلقین کی۔

ڈاکٹر خالد ظفر اللہ نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ:

''ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی مسلمان صرف اپنی تہذیب کا علمبردار ہوتا ہے۔ بہروپیا نہیں کہ تہذیب اغیار کو وردِ زباں اور حرزِ جاں بنا لے، لیکن ثقافتی جنگ میں باعث خیر کو بھی ردکرتے چلے جانا کیا اسلامی سوچ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ باعث خیر کو بھی ردکرنا اسلامی طرزِ فکر نہیں بلکہ مشرکین مکہ کا وطیرہ ہے۔۔۔ اگر ہم پیغمبرِ انقلاب حضرت محمد ﷺ کی انقلابی سیرت کا مطالعہ کریں کہ آپ نے مشرکینِ مکہ، جزیرۃ العرب کے اہلِ کتاب اور مجوس عجم کے تہذیبی طور اطوار کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا تھا؟ تو اس سے ایک متوازن راہ عمل اپنائی جاسکتی ہے۔''(۵۳)

ہر اچھی بات کی حوصلہ افزائی اسلام کی خصوصیات میں سے ہے، خواہ وہ بات کسی بھی قوم کے اندر پائی جائے۔ اسلامی تہذیب میں دوسری تہذیبوں سے کوئی بھی اختلاف برائے اختلاف نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک مقصد ہے اور وہ یہی کہ ہر اس بات سے اختلاف عین تقاضائے فطرت ہے جو انسانی عظمت کردار کے منافی ہو۔ دوسری تہذیبوں کے بارے میں یہ اسلامی تہذیبی رویہ اسلامی تہذیب

Marfat.com

میں اور بھی زیادہ جاذبیت پیدا کر دیتا ہے اور اس کی ہمہ گیری کو ظاہر کرتا ہے۔

سیرت نبوی ﷺ کے مطالعے سے دیگر تہذیبوں کے بارے میں اسلام کا جو مؤقف اور اسلامی تہذیب کا جو مزاج سامنے آتا ہے اسے اختصار کے ساتھ تین نکات کے تحت واضح کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ کفر و باطل پر مبنی روایات کو رد کرنا اور ان کی جگہ کلیتاً نئی روایات کو جنم دینا۔

۲۔ غیر اقوام کی تہذیب و ثقافت کے قابل ترمیم پہلوؤں کو مناسب رد و بدل کے ساتھ اختیار کرنا۔

۳۔ غیر اقوام کی عمدہ اخلاقی اور تمدنی روایات کو بعینہٖ اختیار کر لینا۔

اسلامی تہذیب کے اس رویے کی وضاحت میں ڈاکٹر خالد ظفر اللہ لکھتے ہیں:

''یہ تہذیب بنیادی ٹھوس فکری رہنمائی میں تو لچک نہیں دیتی لیکن ظاہری رویوں میں کفر و شرک کی نمائندہ نہ بننے والی تمام روایات کے ساتھ نباہ کا سبق دیتی ہے۔''(۵۴)

سراج منیر دیگر اقوام کی تہذیبوں کے بارے میں اسلام کے تہذیبی رویے کی وضاحت میں سیرتِ نبوی ﷺ کا حوالہ دیتے ہوئے، اپنی تصنیف ''ملتِ اسلامیہ، تہذیب و تقدیر'' میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام جاہلیت کی بہت سی رسموں کو برقرار رہنے دیا، کچھ میں ترمیم فرما دی اور کچھ کو یکسر منسوخ کر دیا۔۔۔ان میں جو رسوم دین ابراہیمی کے سوتے سے پھوٹی تھیں اور اپنی اصل شکل میں برقرار تھیں، اسلام نے انھیں قبول کر لیا، جن رسوم میں لوگوں نے ترمیم کر کے ان کی اصل صورت مسخ کر دی تھی' ان کو ان کی اصل صورت پر لوٹا کر انھیں اسلام کے شعائر میں داخل کر لیا گیا اور جو رسوم یکسر گمراہی پر بنیاد رکھتی تھیں' انھیں منسوخ کر دیا گیا۔ ہر زمانے اور ہر زمین کیلئے اسلام کا اصولِ تہذیب یہی ہے۔''(۵۵)

علامہ محمود شلتوت مصری لکھتے ہیں:

''اسلام درحقیقت ایک ایسا دین ہے جو حریتِ فکر و نظر کا قائل ہے اور اختلاف رائے کا احترام کرتا ہے۔۔۔اسی حریت فکر کے باعث اسلام ہمیشہ دنیا کی ایسی تمام اعلیٰ تہذیبوں اور ارفع تقاضوں کا ہمنوا' ثابت ہوا ہے جو عقل و فکر کی رہنمائی میں انسانیت کی فلاح و بہبود اور تہذیبی ارتقاء میں مصروف ہیں۔''(۵۶)

یہ اسلام کی وسعت پذیری ہے کہ اس نے اپنی منفرد تہذیب کے حوالے سے ہر خوبی کو اُجاگر کیا اور دوسروں کی خوبی کا اعتراف کیا۔ یہ اعلیٰ درجے کا دیانتدارانہ رویہ بھی ہے۔ چنانچہ اسلام میں

Marfat.com

کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ میں پائے جانے والے اچھے لوگوں کی قدر افزائی کی گئی ہے۔

شرک اور بت پرستی عہد جاہلیت کی تہذیب کا امتیازی پہلو تھا۔ اسلام نے کفر و باطل پر ضرب کاری لگائی اور شرک و بت پرستی کی ہر شکل کو حرام، قابلِ نفرت اور ظلم عظیم قدر دیتے ہوئے نا قابل معافی قرار دیا۔

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ"(۵۷)

ترجمہ: (بے شک اللہ یہ بات معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے علاوہ جس کو چاہے گا' معاف کر دے گا)

اسی طرح اُس معاشرے کے اندر پائی جانے والی معاشرتی اور اخلاقی برائیوں مثلاً شراب نوشی، قمار بازی، پانسے کے تیر، سودی کاروبار، حق وراثت سے محروم کرنا، باپ کی منکوحہ سے نکاح، دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح وغیرہ وغیرہ سب کو حرام قرار دے دیا گیا۔

"اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ"(۵۸)

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ۔۔۔"(۵۹)

محمد بن حبیب "کتاب المحبر" میں قبل از اسلام عربوں کے ان رویوں کے بارے میں لکھتے ہیں، جن کو اسلام نے مسترد کر دیا:

" و كانوا لايورثون البنات ولا النسآء ولا الصبيان شيًامِن الميراث۔"(۶۰)

ترجمہ: (وہ (کفار) بیٹیوں' بیویوں اور بچوں کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے تھے)

"و كانت العرب تزوج نساء ابائها وهو اشنع ما كانوا يعفلون"(۶۱)

ترجمہ: (عرب کے لوگ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرتے تھے' یہ بہت برا فعل تھا' جس کے وہ مرتکب ہوتے تھے)

"فمما أسقط الاسلام تزويج نساء الآباء' والجمع بين الاختين' و ميراث الوارث امرأة وليه كما يورث مالا' واعطاء المواريث غيرا هلها دون ولد الميت . و توريث الذكور دون الاناث ووقف ناقة الرجل معكوسة على قبره' والبحيرة' والسائبة' والوصيلة ' والحام ' والاستقسام بالازلام' والميسر"(۶۲)

ترجمہ: (دین اسلام نے عربوں کی جن باتوں کو منسوخ قرار دیا وہ باپوں کی بیویوں سے نکاح کرنا، دو بہنوں کے ساتھ اکٹھا نکاح کرنا۔ عورت کا مال کی طرح اس کے ولی کی وراثت میں جانا۔ میت کی اولاد کے علاوہ دوسروں کو وراثت کا ملنا۔ لڑکیوں کو چھوڑ کر

Marfat.com

لڑکوں کو وراثت کا ملنا اور مرد کی قبر پر اُس کی اُونٹنی کو اُلٹا گاڑ دینا، اور بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام اور جوئے کے تیر اور جوا تھا)

مذکورہ تمام کاموں کو حرام قرار دیتے ہوئے منسوخ کر دیا گیا اور ان کی جگہ نئے اصول معاشرت دیے گئے جو اسلامی تہذیب و معاشرت کے اصول قرار پائے۔

زمانۂ جاہلیت کی ان باتوں کو اپنا لیا گیا' جن میں کسی لحاظ سے کوئی قباحت نہیں تھی۔ مثلاً عازمین حج کو پانی پلانے کی روایت، مہمان نوازی، گھڑ سواری، تیر اندازی، شمشیر زنی، وغیرہ اسی طرح وہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں اپنے عقیدے کے مطابق مُردوں کو کفن پہناتے تھے' جنازہ پڑھتے تھے، اسلام میں اس کو بھی جاری رکھا گیا اگرچہ اسلام نے کفن دفن اور جنازے کے نئے آداب سکھائے۔

"وكانوا يكفنون موتاهم' ويصلون عليهم' وكانت صلٰوتهم ان يحمل الميت على سرير' ثم يقوم وليه فيذكر محاسنه كلها ويثنى عليه ثم يقول: "عليك رحمة الله" ثم يُدفَن۔ وقال الله عزوجل: "وصل عليهم اِنّ صلاتك سكن لَهُم"(٦٣)

ترجمہ: (اور وہ مُردوں کو کفن پہناتے تھے۔ ان کی نماز (جنازہ) پڑھتے تھے اور ان کے جنازہ پڑھنے کا طریقہ یہ تھا کہ میت کو چارپائی پر اُٹھاتے پھر اس کا ولی کھڑا ہوتا اور اُس کے تمام محاسن بیان کرتا اور ثناء کرتا پھر میت کو مخاطب کر کے کہتا کہ "تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔" پھر دفن کر دیا جاتا اور اللہ عزوجل نے فرمایا' اے نبیؐ! ان کے لیے دُعا کرو بے شک آپ کی دُعا ان کے لیے باعث سکون ہے)

عہد جاہلیت کی کچھ باتوں کو ضروری ترمیم کے ساتھ اسلام میں باقی رکھا گیا، مثلاً اس زمانے میں بھی لوگ حج کرتے تھے' اسلام میں حج کو باقاعدہ رکن دین کی حیثیت حاصل ہے لیکن اس زمانے اور اسلام میں حج کے درمیان زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔

محمد بن حبیب لکھتے ہیں:

"وكانوا يحجون البيت' ويعتمرون' ويطوفون بالبيت اسبوعا' ويمسحون الحجر الاسود' ويسعون بين الصفاء والمروة وكان على الصفاء إساف وعلى المروة نائلة وهما صنمان"(٦٤)

Marfat.com

ترجمہ: (اور وہ بیت اللہ کا حج اور عمرہ کرتے اور ہفتہ وار طواف کرتے' اور وہ حجرِ اسود کو ہاتھ لگاتے اور صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے، اور کوہِ صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ نامی بُت نصب تھے۔)

اسلام کے دیئے ہوئے مناسک حج جو اسلامی تہذیب کا حصہ ہیں زمانہ جاہلیت کے طریقہ حج سے یکسر مختلف ہیں۔ جاہلی طریقے میں عریانی' توہین اور بت پرستی کا عنصر غالب تھا جبکہ اسلامی طریقۂ حج حیاداری' پاکیزگی اور توحید پرستی کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہے۔

دیگر تہذیبوں کے بارے میں اسلام کے اصولی مؤقف کرتے ہوئے محمد قطب اپنی تصنیف "Islam the Misunderstood Religion"☆ میں تحریر کرتے ہیں:

"Islam patronized and fostered the civilizations of all the countries it conquered so long as such civilizations were not contrary to monotheism and did not divert people from doing good actions. Islam also patronized and fostered the Greek scientific heritage including medicine, astrology, Mathematics, Physics, Chemistry and Philosophy. Islam continued to add new scientific achievements which bear witness that Muslims were deeply and seriously interested in scientific research. It was on the cream of the Islamic scientific achivements of Andulsia that the European Renaissance and its modern scientific inventions were based."(65)

ترجمہ: (اسلام نے اپنے تمام مفتوحہ ممالک کی تہذیبوں کی سرپرستی کی، ایسی تہذیبیں جو تصورِ توحید سے متصادم نہیں تھیں اور لوگ اچھے کام کرنے سے انحراف نہیں کرتے تھے۔ اسلام نے طب، آسٹرالوجی، ریاضیات، طبیعیات، کیمیاء اور فلسفہ سمیت یونانی سائنسی ورثے کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی۔ اسلام نے نئے سائنسی کارہائے نمایاں کا اضافہ جاری رکھا جو یہ گواہی دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے سائنسی تحقیق میں گہری سنجیدگی سے دلچسپی لی۔ اندلس میں اسلامی سائنسی کارناموں ہی کا نقطۂ کمال تھا

☆: عربی تصنیف 'شبہات حول الاسلام' کا انگریزی ترجمہ' جس کا اردو ترجمہ 'اسلام اور جدید ذہن کے شبہات' کے عنوان سے ہوا۔

Marfat.com

جس پر یورپ کی نشاۃِ ثانیہ اور اس کی جدید سائنسی ایجادات کی بنیاد رکھی گئی۔)

اسلام، اخلاقی قدروں کا امین اور مقامِ انسانیت کا علمبردار ہے۔ اس میں ہر اُس بات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے جو انسانیت کے لیے باعثِ فخر و تقویت ہو اور ہر اس بات کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے جو انسانیت کے حوالے سے مضر اور موجب ننگ و عار ہو ـــــ محمد قطب مزید لکھتے ہیں کہ:

"In conclusion it will be said that Islam does not appose civilizations as long as it serves humanity. But if a civilization consists of alcoholic liquor-drinking, gambling, moral prostitution, colonialism and enslaving people under different names, Islam will fight against such so-called civilization and will do its best to protect humanity from succumbing to its temptations."(66)

ترجمہ: (حاصل بحث کے طور پر یہ کہا جائے گا کہ کوئی تہذیب جب تک انسانیت کی خدمت کرتی ہے۔ اسلام اس کی مخالفت نہیں کرتا لیکن اگر کوئی تہذیب مے نوشی، جوئے بازی، اخلاقی بے راہ روی، نوآبادیت اور مختلف ناموں پر انسانوں کی غلامی سے عبارت ہو تو اسلام ایسی نام نہاد تہذیب کے خلاف جنگ کرے گا اور انسانیت کو اس کی ترغیبات سے مغلوب ہونے سے بچانے کے لیے اپنی پوری کوشش کرے گا)

○○○

Marfat.com

اسلامی تہذیب کے امتیازی اوصاف

اسلامی تہذیب وتمدن کا بنیادی حوالہ دینِ فطرت ہے جو حضورِ اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر مکمل ہوا، اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والا آخری صحیفۂ ہدایت یعنی قرآنِ حکیم جامع منبعِ ہدایت اور سرچشمۂ تہذیب کی حیثیت سے آنے والے تمام ادوار کے لیے کافی ہو گیا۔ اس مناسبت سے اسلامی تہذیب دُنیا کی واحد تہذیب ہے جو فطرت، عدل اور عقل سے قریب تر ہے۔

حق وصداقت

دینِ اسلام اوّل وآخر سچائی کا علمبردار ہے۔ اس کی تمام تعلیمات عالمگیر سچائیوں پر مبنی ہے۔ تمام عقائد ونظریات ابدی صداقتوں کی وضاحت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر عقیدہ توحید کے حوالے سے جس بات کا پتہ چلتا ہے وہ سب سے بڑی سچائی ہے۔ یعنی خالقِ کائنات ہر لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہی سب سے بڑی طاقت ہے' صرف اسی کا حکم اور قانون پوری کائنات میں جاری ہے، انسان پر بھی اسی کا ضابطۂ ہدایت لازم ہے۔ قرآن اس پر ایسے دلائل پیش کرتا ہے کہ ایک ایک بات صداقت پر مبنی ثابت ہوتی ہے اور اس حوالے سے ایک ایک شک رفع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح باقی عقائد میں بھی سچائی کی جھلک پوری طرح نمایاں ہے۔ قرآن کی صورت میں تمام تر ابدی صداقتوں کا نزول اس ذات پر ہوا جس کی پہچان کا سب سے بڑا حوالہ صداقت اور امانت تھا۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسولؐ اللہ کی بے مثال راست بازی پر عقلی استدلال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۴ سو برس پہلے کی تاریک دنیا میں۔۔۔ ایک گلہ بانی اور سوداگری کرنے والے

Marfat.com

ان پڑھ بادیہ نشین کے اندر یکا یک اتنا علم، اتنی روشنی، اتنی طاقت، اتنے کمالات، اتنی زبردست تربیت یافتہ قوتیں پیدا ہو جانے کا کونسا ذریعہ تھا۔۔۔اگر یہ اسی کے دل ودماغ کی پیداوار تھی تو اس کو نبوت کا نہیں خدائی کا دعویٰ کرنا چاہیے تھا اور اگر وہ ایسا دعویٰ کرتا تو وہ دنیا جس نے رام کو خدا بنا لیا۔۔جس نے مسیحؑ کو آپ اپنی مرضی سے ابن اللہ مان لیا۔جس نے آگ اور پانی اور ہوا تک کو پوج ڈالا، وہ ایسے زبردست باکمال شخص کو خدا مان لینے سے کبھی انکار نہ کرتی مگر دیکھو! وہ خود کہہ رہا ہے۔۔۔کہ میں ایک انسان ہوں تمہی جیسا انسان' میرے پاس کچھ بھی اپنا نہیں' سب کچھ خدا کا ہے۔ دیکھو یہ کیسی حیرت انگیز صداقت ہے۔۔۔جھوٹا انسان تو بڑا بننے کے لیے دوسروں کے ایسے کمالات کا کریڈٹ بھی لے لینے میں تامل نہیں کرتا جس کے اصل ماخذ کا پتہ بآسانی چل جاتا لیکن یہ شخص ان کمالات کو بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرتا جن کو اگر وہ اپنے کمالات کہتا تو کوئی اس کو جھٹلا نہ سکتا تھا۔کیونکہ کسی کے پاس ان کے اصلی ماخذ تک پہنچنے کا ذریعہ ہی نہیں۔سچائی کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟''(٦٧)

چنانچہ اسلام کی متعارف کردہ تہذیب مکمل طور پر سچائی کی امین تہذیب ہے۔مسلمان سے تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں سچائی کا دامن تھامے۔سچائی کا اعتراف کرے، سچ بولنے والوں کا ساتھ دے اور سچ پر استقامت اختیار کرے۔

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا''(٦٨)

ترجمہ: (اے اہلِ ایمان! اللہ سے ڈرو اور سچی بات کرو)

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ''(٦٩)

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ)

سچائی انسانی کردار کی سب سے بڑی خوبی ہے، جس کی بدولت دیگر بہت سی خوبیاں اور اچھی صفات انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں۔اسی لیے سچائی کو انسان پر لازم کیا گیا ہے۔چنانچہ ایک حدیث میں اس بات کو ناممکن اور بعید از فہم قرار دیا گیا ہے کہ مسلمان سچ نہ بولتا ہو۔(٧٠)

قبل از اعلانِ نبوت رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کی فکری و عملی سچائی کی تصدیق لوگوں کا آپ ﷺ کو ''الصادق'' اور ''الامین'' کہہ کر کرنا تھا اور بعد از اعلان نبوت اپنے ہر کمال اور خوبی کو منجانب اللہ قرار دینا آپ ﷺ کی ہمہ گیر صداقت کی سب سے بڑی عقلی دلیل ہے۔سچائی اسلامی زندگی کا

Marfat.com

جزو لاینفک ہے جس کے تمام مظاہر سچائی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کہتے ہیں کہ :

''اہلِ علم وحکمت کے لیے صاحب صدق ہونا ناگزیر ہے۔۔۔جب کسی قوم کے اہل علم وحکمت میں صدق کم ہو جاتا ہے تو اس کی تخلیقی صلاحیتوں میں بھی اسی نسبت سے اضمحلال وانحطاط رونما ہوتا ہے۔۔۔بخلاف اس کے صدق سے تخلیقی صلاحیتوں کو قوت واستحکام اور نشوو ارتقاء حاصل ہوتا ہے۔اور اس کا نتیجہ ثقافت کے نشوو ارتقاء کی صورت میں نکلتا ہے''(۷۱)

تخلیقی عمل غور وفکر کا نتیجہ ہے۔اسلام فکر وتدبر پر بہت زور دیتا ہے۔اسلام کا پیدا کردہ ہمہ پہلو انقلاب شعور وادراک کو مثبت انداز سے بروئے کار لانے کا نتیجہ ہے، جس نے انسانی زندگی کو نئے زاویوں سے ہمکنار کیا۔مثبت انداز فکر سچائی اور سچے روّیوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔چنانچہ وہ تخلیقی عمل اور اجتہاد جس کی بنیاد میں سچائی اور غیر جانبداری کا عنصر کارفرما ہو ہمیشہ سچائیوں کو منظر عام پر لاتا ہے۔ اسلام ایسی ہی سچائی سے عبارت تہذیب کی تشکیل کرتا ہے اور اہل ایمان کو اس کا پابند بناتا ہے۔

توحید پرستی

توحید سب سے بڑی سچائی کا نام ہے۔یعنی پوری کائنات کا خالق اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اس کے علاوہ سب کچھ مخلوق ہے۔مخلوق پر لازم ہے کہ خالق کے حکم اور قانون کی پیروی یعنی اس کی عبادت کرے۔

''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَo الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ص وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ج فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo''(۷۲)

گویا انسان کو خبردار کیا جاتا ہے کہ وہ عبادت کرنے سے پہلے غور کرے کہ وہ کس کی عبادت کرنے جا رہا ہے کیونکہ معبود کے لیے خالق ہونا لازم ہے اور ایسا خالق صرف اللہ ہے۔قرآن حکیم بے مثال قوت تخلیق کے حوالے سے خالق برحق کی جن صفات کا تذکرہ کرتا ہے ان میں غور کرنے سے یہ حقیقت اور بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے کہ اس کا کسی لحاظ سے کوئی شریک نہیں۔

قرآنِ حکیم میں ہے کہ اللہ کی ذات وحدہٗ لاشریک اور ہر لحاظ سے بے مثال ذات ہے۔

''لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ''(۷۳)

Marfat.com

عقیدہ توحید الہامی تعلیمات کی قدر مشترک ہے۔ ہر نبیؑ نے اپنی قوم کو بنیادی طور پر یہ تعلیم دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کسی کی عبادت روا نہیں' اس کے سوا کسی کا حکم واجب التسلیم نہیں۔ اگر انسان از روئے تحقیق دیکھے تو یہ توحید اس کے سامنے سب سے بڑی سچائی (The Greatest Reality) کی حیثیت سے سامنے آتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ فطرت کی اولین پکار اور انسانی زندگی کا بنیادی مقصد ایسی سچائی کی تلاش اور اس کے ساتھ پر خلوص عملی وابستگی ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

''برق اور بھاپ کے پوجنے والے دانایان یورپ اگر اس حقیقت کو سمجھ لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ برق اور بھاپ سے آگے بھی کوئی حقیقت ہے اور حقیقی پاور اور طاقت نہ برق میں ہے اور نہ بھاپ میں، بلکہ سب طاقتوں اور قوتوں کا سرچشمہ اسی ذات حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس نے یہ برق اور بھاپ پیدا کیے۔''(۷۴)

اسلامی تہذیب کی روح یہی عقیدہ توحید ہے جو اسے فطرت اور سچائی سے قریب تر کرتا ہے اور یوں اسلامی تہذیب میں تہذیبوں کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی ابدی سچائی کی بدولت انسان میں حقیقت پسندانہ اور غیر جانبدارانہ رویہ بیدار ہوتا ہے اور وہ کائنات میں پائی جانے والی حقیقتوں کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں وحدت اور مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے جو معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے بہت ضروری ہے' لیکن اس کے برعکس اگر انسان اس عقیدے سے انحراف پر اتر آئے تو وہ سچائی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور پوری زندگی میں جھوٹ کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ بنیادی حقیقت سے انکار کی بدولت باقی تمام سچائیوں کو ماننا بے معنی ہو کے رہ جاتا ہے۔

یہ سب سے بڑا منفی رویہ ہے کیونکہ اس سے زندگی کی وحدت اور مرکزیت ختم ہو جاتی ہے۔ انسان غیر فطری رجحانات کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآن اس رویے کو شرک سے تعبیر کرتا ہے اور اسے انسان کے لیے سب سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن قرار دیتے ہوئے اسے ظلم عظیم ٹھہراتا ہے۔

''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ''(۷۵)

اللہ کے ساتھ شرک سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس لیے قرآن شرک کو ''ظلم عظیم'' سے تعبیر کرتا ہے۔ مشرکین کو نجس قرار دیتا ہے اور صاحبانِ عقل و دانش سے سوال کرتا ہے کہ:

''اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ''(۷۶)

ترجمہ: (کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟)

Marfat.com

قرآن توحید خالص کا تصور پیش کرتے ہوئے شرک اور باطل پرستی کی جڑ کاٹتا ہے اور خبردار کرتا ہے کہ باطل عقائد انسان کو زیب نہیں دیتے۔

"قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌo اَللّٰهُ الصَّمَدُo لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْo وَلَمْ يَكُن لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ"(۷۷)

ترجمہ: (اے نبی ﷺ! کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ صمد ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا۔ کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں)

یہ اسلامی تہذیب کی شان ہے کہ اس کی آبیاری میں سب سے بڑی سچائی یعنی توحید کارفرما ہے۔ اسلامی معاشرے کا ہر فرد توحید پرست ہونے پر فخر کرتا ہے اور اسی کی بدولت اس کی شخصیت میں توازن، وقار اور حقیقت پسندی جیسے اوصاف کی جھلک ملتی ہے۔ وہ ہر سچ کو قبول کرتا اور ہر جھوٹ کو رد کرتا ہے۔

اطاعت ـــــ قانون کی حکمرانی

کسی نظام زندگی کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس میں قانون کی حکمرانی کے لیے راستہ صاف ہو، قانون سب کے لیے یکساں ہو، کوئی بھی قانون سے بالاتر نہ ہو۔ صرف اسی صورت میں افراد معاشرہ کے اندر نظم وضبط پیدا ہوتا ہے اور مرکزیت آتی ہے۔ ورنہ بدنظمی اور انتشار برپا ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اقوام کمزور اور زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔

اسلام ایسی تہذیب ومعاشرت کا علمبردار ہے جو اول وآخر قانون کی حکمرانی (Rule of law) سے عبارت ہے۔ قرآن اسے ''اطاعت واتباع'' کے عنوان سے بیان کرتا ہے۔ اللہ وحدہ لاشریک کے احکام وقوانین کی حکمرانی، جس کا اطلاق ونفاذ منہج نبوی کے مطابق ہو۔ اس بات میں کوئی ابہام نہیں چھوڑا گیا کہ اہل ایمان کی اصلاح وفلاح اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مضمر ہے۔ یہ اسلامی تہذیب وتشخص کا لازمی جزو ہے کہ ہر فرد مسلم پیکر اطاعت بننے کی بھرپور کوشش کرے۔ قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

"قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ"(۷۸)

ترجمہ: (کہہ دو کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ پھر جائیں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا)

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اَطِيْعُواالله وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ"(۷۹)

Marfat.com

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر لوگوں کی، پھر اگر کسی معاملے میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو)

"وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا"(۸۰)

ترجمہ: (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو)

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ"(۸۱)

ترجمہ: (اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرو، اپنی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو)

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ"(۸۲)

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ موڑو اور تم سنتے تو ہو)

"وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ"(۸۳)

ترجمہ: (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی)

معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں اطاعت (قانون کی حکمرانی) مرکزی حیثیت کا حامل عنوان ہے۔ اس کے بغیر ایمان معتبر نہیں۔ اس کے بغیر پرہیز گاری نہیں' اصلاح وفلاح نہیں اور قوت وطاقت نہیں۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اطاعت کسی کی بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ اصل اطاعت یعنی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے متصادم نہ ہو، تنازعہ واختلاف کی صورت میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کا حکم دے کر اُمت کو انتشار وافتراق سے محفوظ کرنا مقصود ہے۔

اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیت کی حیثیت سے اطاعت ہمہ گیر ہے جو زندگی کے ہر معاملے میں لازم ہے، خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق الناس۔ چنانچہ جس طرح ارکان اسلام میں اطاعت رسول ناگزیر ہے اسی طرح دیگر معاملات حیات میں بھی، خواہ انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی، معیشت و تجارت ہو یا سیاست وحکمرانی، علم وادب ہو یا میدان جنگ، امور داخلہ ہوں یا خارجہ، غرض کہ قانون جب تک پوری زندگی میں نافذ نہ ہو، قانون کی حکمرانی کا تصور بے معنی رہتا ہے۔

اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت دو مختلف باتیں

Marfat.com

ہیں بلکہ اطاعت رسول میں اللہ کی اطاعت ہے۔ یعنی اللہ کے قانون کی اس کے حکم کے تحت اسی کے مقرر کردہ نمونہ عمل کے مطابق بجا آوری، چنانچہ فرمادیا گیا کہ:

"مَن يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"(۸۴)

ترجمہ: (جو رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے تو اُس نے اللہ کی اطاعت کی)

اطاعت رسول ﷺ اسلامی زندگی کی روح ہے۔ اسی اطاعت میں مسلمان کے لیے دنیا و آخرت کی سرخروئی کا سامان ہے۔ کیونکہ یہ اُس ذاتِ اقدس کی اطاعت ہے، جس کا ہر قول و عمل وحی الٰہی کی روشنی میں انجام پایا، جسے اللہ نے "اُسوۂ حسنہ" قرار دیا۔ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا انسان کو کسی تذبذب کا شکار ہوئے بغیر اسلام کے تصورِ اطاعت سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا"(۸۵)

ترجمہ: (لوگو! تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس دلیل قطعی آ چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف شفاف نور ہدایت اُتارا ہے)

برہان قطعی سے مراد بعثتِ محمدی ﷺ ہے جس کی بنیاد قرآن ہے اور قرآن نورِ ہدایت کا سرچشمہ ہے، جو اطاعت کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے۔

اسلامی ریاست اور معاشرے میں رسول اللہ ﷺ کی حیثیت قانون دہندہ، قانون ساز اور حتمی اتھارٹی (Final authority) کی ہے۔ اللہ نے آپ کی اطاعت کو لازم ٹھہرایا ہے جس سے سرمو انحراف کی گنجائش نہیں۔

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"(۸۶)

ترجمہ: (اے نبی ﷺ! کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ معاف کرنے والا، مہربان ہے)

یہ اسلامی تہذیب اور معاشرے کا اعزاز ہے کہ اس میں اطاعت کا تصور کسی شخصیت کی رائے کے تابع نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے تابع ہے اور کسی کو بھی اپنے ایمان و عمل اور سیرت و کردار کے حوالے سے معتبر ہونے کے لیے اطاعت کے اس وسیع تر تصور سے ہم آہنگ ہونا بہر صورت لازم ہے۔ یہی تصور فرقہ واریت، بدعت اور اندھی تقلید پر ضرب لگاتا ہے۔

Marfat.com

ضابطۂ حلال وحرام

اِنسان کے انفرادی اوصاف میں سے ایک بڑا وصف اسے حلال وحرام کا شعور و امتیاز کا ودیعت کیا جانا ہے۔ یعنی دنیا میں انسان کو کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا، کون سے امور انجام دینے ہیں اور کن کاموں سے اجتناب کرنا ہے۔ خواہ ان باتوں کا تعلق گفتگو سے ہو، چلنے پھرنے سے ہو، کھانے پینے سے ہو، دیکھنے سے ہو، لباس سے ہو، رہائش سے ہو، رشتہ وقرابت سے ہو، آداب مجلس سے ہو یا اسی طرح زندگی کے کسی بھی معاملے سے۔ تمام امور ومعاملات میں حلال وحرام کی تمیز انسان کے لیے اشد ضروری ہے۔ اس لیے کہ ان سب پہلوؤں کا تعلق تہذیب سے ہے۔

حلال وحرام کے حوالے سے اسلام کا دیا ہوا ضابطہ نہایت جامع ہے جس میں تمام تر جزئیات اور کلیات کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس مناسبت سے حلال وحرام کی تمیز اور اس کے مطابق عملی رویوں کی تشکیل اسلامی تہذیب وتشخص کا لازمی وصف قرار پاتا ہے۔ پیروان اسلام کو اس امر کا پابند کیا جاتا ہے کہ وہ ضابطۂ حلال وحرام سے تجاوز نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الحلال بین و الحرام بیّن وبینهما مشتبهات لایعلمها کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات استبراء لدینه و عرضه ومن وقّع فی الشبهات وقع فی الحرام"(۸۷)

ترجمہ: (بے شک حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی' ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ اُمور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، جو شبہات سے بچ گیا اُس نے اپنے دین اور عزت وآبرو کو بچالیا اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا)

حلال وحرام کے واضح ہونے سے مُراد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں اس بات کی واضح طور پر نشاندہی کر دی گئی ہے کہ کونسی بات، کونسی چیز، کون سا رویہ اور کونسا کام درست اور جائز ہے اور کونسا غلط اور حرام ہے۔ یہ تمیز سکھانے کا مطلب ضابطۂ حلال وحرام کی پابندی کو آسان بنانا ہے۔ اسی طرح مشتبہ اور مشکوک امور کو حرام کے درجے میں شمار کیا گیا ہے تاکہ ان سے بچنا بھی انسان کے لیے آسان ہو جائے۔ ورنہ وہ ہمیشہ تذبذب میں رہتا یا اپنے طور پر ان کو جائز سمجھتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتا۔ اسلامی تہذیب ومعاشرت میں اس ضابطے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

کھانے پینے کے حوالے سے فرمایا گیا:

"یٰٓاَیُّهَاالنَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلاً طَیِّبًا"(۸۸)

ترجمہ: (لوگو! جو کچھ زمین میں حلال اور پاکیزہ ہے وہ کھاؤ)

Marfat.com

جن جانوروں کا گوشت کھانا حرام ہے ان کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِاللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۭ وَمَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ"(۸۹)

ترجمہ: (تم پر مردار، خون اور سؤر کا گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جانور بھی جو غیر اللہ کے نام منسوب کیا گیا ہو، اور وہ جانور جو گلا گھٹ کر مر جائے، جو چوٹ لگ کر مر جائے، جو بلندی سے گر کر مر جائے، جو سینگ لگ کر مر جائے اور جسے درندے چیر پھاڑ دیں۔ حرام ہے سوائے اس کے جسے تم اس کے مرنے سے پہلے ذبح کر لو اور جو جانور انصاب یعنی غیر اللہ کو نذرانہ پیش کرنے کے لیے ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے، اور یہ بھی حرام ہے کہ جوئے کے تیروں سے حصوں کا تعین کرو۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں)

بیع اور سود کا فرق واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

"وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"(۹۰)

ترجمہ: (اللہ نے خرید و فروخت یعنی بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے)

بیع جو شرعی قواعد و ضوابط کے مطابق ہو جائز ہے اور رباء یعنی سود کی ہر شکل قطعاً حرام ہے۔

مشرکانہ عقائد و نظریات انسان پر حرام ہیں جن کی وجہ سے انسان پر جنت اور اخروی ثواب حرام ہو جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

"اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ"(۹۱)

ترجمہ: (بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس پر اللہ نے جنت حرام ٹھہرائی ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے)

اس ارشاد کی روشنی میں ہر طرح کا مشرکانہ عقیدہ، غیر اللہ کے آستانوں پر حاجت روائی کے لیے حاضری دینا اور مشرکانہ رسوم ادا کرنا حرام ہوا۔

حِلت و حرمت کا تعین کرنا صرف اللہ کا حق ہے۔ ان لوگوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو ایسے فیصلے بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا گیا:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ"(۹۲)

ترجمہ: (کہہ دو کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اسے کس نے (ان

Marfat.com

کے لیے) حرام کر دیا اور پاکیزہ اشیاء کے رزق کو بھی)

زیب و زینت اور آرائش و زیبائش انسان کے لیے جائز ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس سلسلے میں مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ درجہ بندی کر دی گئی ہے، جس کو ملحوظِ خاطر رکھنا لازم ہے۔

مولانا فتح محمد جالندھری نے لکھا ہے کہ:

''جس طرح کھانے پینے کی چیزوں اور مال کا اڑانا حرام ہے اسی طرح ان کو ترک کر دینا اور ان سے فائدہ نہ اٹھانا بھی خدا کو ناپسند ہے۔۔۔ اگر خدا کسی کو اعلیٰ قسم کی چیزیں کھانے پینے پہننے کو دے تو وہ ان کو چھوڑ کر ادنیٰ درجے کی چیزیں کیوں اختیار کرے۔ ایسا کرنا خدا کی سنت کے خلاف ہے۔ اس نے تمام کھانے پینے اور پہننے کی اور زیب و زینت کی چیزیں حلال کی ہیں۔۔۔ امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ اس آیت میں ہر قسم کے لباس اور زیور داخل ہیں۔ اگر مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا پہننا حرام نہ ہوتا تو عموم آیت ان پر بھی مشتمل ہوتا۔ غرض کھانے پینے اور زینت کی اعلیٰ اور اچھی چیزوں کو زہد کی بناء پر ترک کرنا غلطی ہے۔''(۹۳)

تمام کھانے پینے اور زینت کی چیزوں سے مراد صرف وہی چیزیں ہیں جن کے استعمال کو شریعت نے جائز رکھا ہے۔ اسلامی شریعت میں ہر طرح کے فواحش کو حرام ٹھہرایا گیا ہے جو اسلامی تہذیب و تمدن کا ایک امتیاز ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

''قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ''(۹۴)

ترجمہ: (کہہ دو کہ میرے رب نے ظاہر اور چھپی ہوئی بے حیائی کو حرام کیا ہے)

ازدواجی حوالے سے جو رشتہ و قرابت انسان پر حرام ہے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی گئی:

''حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا''(۹۵)

ترجمہ: (اے ایمان والو! تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور

Marfat.com

بھتیجیاں اور بھانجیاں اور رضاعی مائیں اور رضائی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو اُن کی لڑکیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو، تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ سوائے ان بیویوں کی لڑکیوں کے جن کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو، اُن کے بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں یعنی حقیقی بہوئیں اور دو بہنوں کا کسی ایک مرد کے نکاح میں اکٹھا کرنا بھی حرام ٹھہرایا گیا ہے مگر جو ہو چکا سو ہو چکا، بے شک اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے)

معاشرے میں انسانی کردار و عمل اور رویوں کے حوالے سے یہ تعلیمات انتہائی اہمیت کی حامل ہیں ان کے ذریعے ایسی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جو فطرت کا لازمی تقاضا ہے اور ان سے تجاوز کی صورت میں انسانی اور حیوانی معاشرے میں کوئی تمیز نہیں رہ جاتی۔ حلال و حرام کے حوالے سے دین اسلام کی تعلیمات کی بدولت اسلامی تہذیب کا ایک اہم عنوان اجاگر ہوتا ہے۔

ضابطۂ حلال و حرام کا اطلاق علوم و فنون پر بھی ہوتا ہے جس کے تحت مسلمانوں کو خبردار کیا جاتا ہے کہ علم و فن کا کون سا انداز ان کے لیے نقصان دہ اور ان کے وقار کے منافی ہے۔ چنانچہ فحاشی اور اخلاقی انحطاط کا سبب بننے والے فنون لطیفہ اسلامی تہذیب میں حرام قرار پاتے ہیں۔

شرم و حیاداری

حیا انسان کا فطری جوہر ہے، یہ وہ کیفیت ہے جس کے تحت انسان برائی سے نفرت کرتا ہے اور ضابطۂ اخلاق اور اپنے دائرہ کار کی پابندی کرتا ہے۔ اسلام میں اس کی اہمیت یہ ہے کہ حیا کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"الحیاء مِن الایمان"(۹۶)

شرم و حیا کا تقاضا ہے کہ انسان حق و باطل میں تمیز کرے، برائی کو برائی سمجھے، صنف مخالف کی مشابہت اختیار نہ کرے، فحش گوئی، جھوٹ اور ریاکاری سے اجتناب کرے اور دانستہ طور پر کوئی ایسا کام نہ کرے جو بعد میں شرمندگی کا باعث بنے۔

فطری تہذیب ہونے کے ناتے اسلامی تہذیب کا لازمی وصف شرم و حیا بھی ہے۔ مسلمانوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں حیاداری کا مظاہرہ کریں۔ نگاہیں نیچی رکھیں اور خواہش نفس کی پیروی سے گریز کریں۔ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا:

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ خَبِیرٌ بِمَایَصْنَعُوْنَo وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ۔۔۔"(۹۷)

ترجمہ: (مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں، اللہ اس سے خوب واقف ہے اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زیب وزینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں، مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں)

امام قرطبی غضِ بصر کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"البصر هوالباب الاكبر اِلى القلب' واعمرُ طرق الحواس اليه' وبحسب ذالك كثر السقوط من جهته ' ووجب التحذير منه' وغضّهُ واجبٌ عن جميع المحرمّات' وكل من يخشى الفتنة من اجلهِ ' وقد قالَ:(اياكم و الجلوس على الطرقات) فقالوا: يارسول اللّٰه' مالنامن مجالسنا بُدَّ نتحدث فيها فقال:(فاذا أبَيْتُم اِلالمجلس فاعطوا الطريق حقّه) قالوا: ماحق الطريق يا رسول اللّٰہ؟ قال غضُّ البصر' وكفّ الاذى وردّ السلام والا مر بالمعروف والنهى عن المنكر"(۹۸)

ترجمہ: (دل کی طرف جانے والا سب سے بڑا دروازہ نظر ہے، حواس کے راستے اس کی طرف کھلتے ہیں۔ اِسی وجہ سے اس کی طرف سے اکثر جھکاؤ پایا جاتا ہے۔ اس سے بچنا واجب ہے۔ تمام محرمات سے نظر نیچی رکھنا واجب ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم راستوں میں نہ بیٹھو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! راستوں میں بیٹھتے وقت ہم پر کیا لازم ہے۔ فرمایا راستے کا حق ادا کرو۔ انہوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! راستے کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نظر نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا)

نامحرم مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی طرف دانستہ طور پر دیکھنا حیاداری کے خلاف ہے۔ اس سے شہوت کو تقویت ملتی ہے اور اخلاقی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ممکنہ خرابیوں پر قابو پایا جا سکے۔

اسلامی تہذیب حیاداری کی آئینہ دار ہے۔ اہل ایمان کے لیے شرم وحیا لازمی وصف ہے۔

Marfat.com

حیا داری کے تحت نگاہیں نیچی رکھنا اور عورتوں کا حجاب میں رہنا ان کے اسلامی تہذیب و تشخص کی علامت ہے۔ مغرب نے اسلامی تہذیب کے اس نمایاں پہلو کو فرسودہ ثابت کرنے کے لیے اس کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کا سہارا لے رکھا ہے۔ جس سے اسلامی معاشرے پر زہریلے اثرات مرتب ہوئے ہیں اور فحاشی کو شہ ملی ہے۔ مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ مغربی فلسفے کا تجزیہ کریں اور اپنی تہذیب کے حقیقی پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

علم وحکمت

علم وحکمت اور فہم وفراست انسان کا امتیازی وصف ہے جس کی بدولت وہ ہر پہلو سے دوسری مخلوقات پر برتری کا حامل ہے اور اسی کی بناء پر ارتقاء پذیر بھی ہے۔ یہ علمی برتری ہی تھی کہ فرشتوں کو انسان کے آگے تعظیم بجالانے کا حکم ہوا اور ان کے شکوک وشبہات رفع ہوئے۔

ہدایت اور علم لازم وملزوم ہیں۔ دونوں کا سرچشمہ اللہ وحدہ لاشریک کی ذات ہے۔ نسل انسانی کے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کے لیے رشد وہدایت کا اہتمام علم الٰہی سے بذریعہ وحی ہوا۔ نوعِ انسانی کی رہنمائی کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ کی طرف سے علم وحکمت عطا ہوئے۔ رُشد وہدایت کا سلسلہ ''اِقراء''، ''علم'' اور ''قلم'' کے مقدس الفاظ سے شروع ہوا۔

''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ o''(۹۹)

ترجمہ: (اے نبی ﷺ! پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو اور آپ کا رب سب سے زیادہ عزت والا ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

حضور سیّد عالم، محمد رسول اللہ ﷺ کے مقاصد بعثت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

''وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ''(۱۰۰)

ترجمہ: (نبی ﷺ لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں جبکہ اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے تھے)

قرآن وحدیث علم وحکمت کی خالص ترین شکل ہیں، اس لیے کہ ایک اُمّی شخص کی زبان سے بے مثال فصاحت و بلاغت پر مبنی علم ودانش کا ظہور صرف معجزہ ہی ہوسکتا ہے، جس کے آگے وقت کے سارے ماہرین علم وفن بے بس ہوجائیں۔ اسی علم وحکمت کی بنیاد پر اسلامی معاشرے اور

Marfat.com

تہذیب وتمدن کو پروان چڑھایا گیا اور ایک جاہلی معاشرہ خالص علمی وفکری معاشرہ بن گیا۔

قرآن حکیم علم وحکمت کی قدر افزائی کرتا ہے:

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ"(۱۰۱)

ترجمہ: (کہہ دو بھلا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں)

"يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ"(۱۰۲)

ترجمہ: (اللہ تم میں سے اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بلند کرتا ہے)

ایمان وعمل اور علم باہم لازم وملزوم ہیں کیونکہ علم کے بغیر ایمان وعمل کی حقیقت اور تقاضوں کی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ علم انسان کی ترقی اور بلندی درجات کا ضامن ہے بشرطیکہ علم کے عملی تقاضے پورے کئے جائیں۔ ورنہ علم محض بھی جہالت کے مترادف ہے۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"الذين يعلمون هم الذين ينتفعون بعلمهم ويعملون به فامّا من لم ينتفع بعلمه ولم يعمل به فهو بمنزلة من لم يعلم"(۱۰۳)

ترجمہ: (جاننے والے وہ ہیں جو اپنے علم سے دانستہ طور پر نفع حاصل کرتے ہیں۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو اپنے علم سے نفع نہیں اُٹھاتا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ نہ جاننے والے کے درجے میں ہے)

گویا علم سے نفع اُٹھانے سے مراد عملی طور پر استفادہ کرنا ہے۔ حدیث میں ایسے علم کو بیکار خزانہ قرار دیا گیا ہے جو نفع آور نہ ہو۔

اسلام نے مسلمانوں پر حصولِ علم کو لازم کیا ہے اور ساری زندگی تلاش علم میں رہنے کی تلقین ہے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علم وحکمت اسلامی تہذیب کا لازمی جزو اور اس کی پہچان ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں:

"علم کا عقیدہ اسلام کے ان عقائد جلیلہ ومحرکہ میں سے ہے جنہوں نے اسلامی ثقافت کی صورت گری ونقش گری اور تزئین وتحسین کرنے' نیز اسے حرکی وارتقائی بنانے میں ازبس اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس عقیدے نے اسلامی ثقافت کے نظری وعملی گوشوں کو وسعت دی اور اس پر ہمہ جہت ترقی کے دروازے کھول دیے۔"(۱۰۴)

اسلامی علوم وفنون کی تاریخ میں "دارارقم" پہلی درسگاہ تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں منتخب کیا اور ہجرت کے بعد "صفہ" کی درسگاہ قائم کی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے زیر تربیت ان

Marfat.com

درسگاہوں سے فارغ التحصیل صحابہ کرامؓ نے تھوڑے ہی عرصے میں ایک عالم کو جہالت کے اندھیروں سے نجات دلائی اور ساتھ ساتھ فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے عدل ومساوات کے اصولوں پر معاشرے کی تشکیلِ نو کی۔

خلافتِ راشدہ، عہدِ بنواُمیہ، عہدِ بنوعباس، اسلامی اندلس اور عثمانی ترکوں کے عہد میں اسلامی علوم وفنون نے مرحلہ وار ترقی کی اور ایک وقت آیا کہ مسلمانوں کی تحریک علم، جدید زبان میں باقاعدہ سائنس کا درجہ حاصل کرگئی اور پوری دنیا کو اپنے دیرپا اثرات کی لپیٹ میں لے لیا۔ چنانچہ قرونِ وسطیٰ کا دَور علم وحکمت کے حوالے سے صرف اور صرف مسلمانوں کے ساتھ منسوب ہوا' جب کہ یورپ پر جہالت اور توہم پرستی کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سیّد امیر علی لکھتے ہیں:

''شاعری' خطابت اور نجوم ماقبل اسلام کے عربوں کے مرغوب مشغلے تھے لیکن سائنس اور ادب کے دلدادہ مفقود تھے۔ ہادیٔ اسلام ﷺ کی تلقین نے عرب قوم کی سوئی ہوئی قوتوں کو جگا کر ان میں ایک نئی حرکت پیدا کردی' آپ ﷺ کی مدت حیات کے اندر ہی ایک تعلیمی ادارے کی داغ بیل پڑ گئی جس کی بنیاد پر آئندہ سالوں میں بغداد، ۔۔۔ قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔''(۱۰۵)

اسلام دین حکمت ہے اور انسان کو تلاش حکمت کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی تحریک کے تحت مسلمانوں نے علم وحکمت کے مختلف میدانوں میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ غیر اقوام کی تہذیب سے شناسائی حاصل کرنے کے لیے ان کی قدیم کتابوں کے وسیع پیمانے پر تراجم اس سلسلے کی اہم کڑی ہیں۔ اس کام کو بہت منظّم انداز سے انجام دیا گیا۔

محمد سعود لکھتے ہیں کہ:

"A number of academies were established by the rulers at many places in the Muslim world to carry out the work of translation. These academies under took the translation of the main Greek works on philosophy, astronomy, mathematics, medicine and other sciences. The first such academy named Bait-al- Hikmah (House of wisdom) was set up by the caliph al-Ma-mun. This academy contained a library and an observatory. An other such institution was founded by the Fatimi rulers

Marfat.com

in Egypt. During the reign of Abbasi caliphs particularly, al-Mansur and al-Ma-mun extensive activity was shown in the preparation and translation of scientific works."(106)

ترجمہ: (ترجمے کا کام سرانجام دینے کے لیے مسلمہ حکمرانوں کی طرف سے عالم اسلام کے اندر مختلف مقامات پر بڑی تعداد میں اکادمیاں قائم کی گئیں۔ جہاں فلسفہ، فلکیات، ریاضیات، طب اور دوسرے سائنسی علوم کی بڑی بڑی یونانی کتابوں کے تراجم کئے گئے۔ اس قسم کی پہلی اکادمی کا نام ''بیت الحکمۃ'' ہے جو خلیفہ مامون الرشید نے قائم کی۔ یہ اکیڈمی ایک لائبریری اور تجربہ گاہ پر مشتمل تھی۔ اسی طرح کا ایک اور ادارہ مصر میں فاطمی حکمرانوں نے قائم کیا تھا۔ عباسی خلفاء کے دور حکومت' خاص طور پر المنصور اور المامون کے دور میں سائنسی علوم کی تحقیق اور ترجمے کے کام میں گہری سرگرمی کا مظاہرہ کیا گیا)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسلام کا بنیادی مقصد انسانی معاشرے کو عمل صالح سے ہمکنار اور برائی سے پاک کرنا ہے۔ یہ کام خود بخود انجام نہیں پاتا بلکہ اس کے لیے افراد کی تربیت اور ذہن سازی کی جاتی ہے کہ وہ اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکیں، اچھائی پر کاربند رہتے ہوئے دوسروں کو اچھے کاموں کی طرف راغب کریں اور برائی سے روکیں۔ اس لحاظ سے یہ ایک اہم فریضہ ہے جو امتِ مسلمہ کے افراد پر عائد ہوتا ہے اور اسلامی تہذیب کے نمایاں وصف کے طور پر سامنے آتا ہے۔

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"(۱۰۷)

ترجمہ: (اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے، اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے، یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں)

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' جو منصب نبوت کے تقاضوں میں سے ہے، دین اور رسالت کے مکمل ہونے پر اُمتِ مسلمہ کے سپرد کیا گیا تا کہ اللہ کا مکمل کردہ دین فی زمانہ نسل انسانی

Marfat.com

تک پہنچتا رہے اور اچھائی اور برائی کے حوالے سے ان کو برابر یاد دہانی کرائی جاتی رہے۔

حضور سیّد عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

"بلغوا عنی ولو آیة"(۱۰۸)

اُمتِ مسلمہ کا یہ اعزاز ہے جس کی بدولت یہ "خیر الامم" قرار پائی، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی بھلائی کے لیے میدان عمل میں لایا گیا ہے۔ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من رائ منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه فإن لم یستطع فبقلبه وذالك اضعف الایمان"(۱۰۹)

ترجمہ: (تم میں سے جو کوئی برا کام دیکھے اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے پھر اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان کی نشانی ہے)

ایک اور حدیث میں ہے:

"قال والذی نفسی بیدہ لتامُرُنَّ بالمعروف ولتنهَوُنَّ عن المنکر اَولَیُو شِکَنَّ اللّٰه اَنْ یَّبْعَثَ علیکم عقاباً منه ثم تدعُونه فلا یَسْتَجِیْبُ لکم"(۱۱۰)

ترجمہ: (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرما دے گا۔ پھر تم اس سے دعا کرو گے تو وہ قبول نہیں کی جائے گی)

فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تقاضوں کو پورا کئے بغیر اسلامی تہذیب و تشخص کے اصل تاثر کو نمایاں نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس سے انحراف دین کی روح سے انحراف ہے۔ بایں وجہ حدیث میں عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ مختلف اقوام عالم مختلف قسم کے عذابوں سے دوچار ہو چکی ہیں، جن میں سے کئی ایک کا حوالہ قرآن میں موجود ہے۔ الشیخ احمد بن حجر بیان کرتے ہیں:

"رہی پچھلی قومیں تو جو لوگ قرآن پاک پڑھتے اور سنتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان قوموں پر کون کونسا عذاب آیا، ان میں کتنوں کو اللہ نے دریا میں ڈبو دیا، کتنوں کو زمین کے اندر دھنسا دیا، کتنوں کو زوردار چیخ کے ذریعے موت کے گھاٹ اُتار دیا اور

Marfat.com

ان میں کتنے ایسے تھے جن کی صورتوں کو مسخ کر کے انہیں بندر اور سؤر بنا ڈالا۔"(۱۱۱)

اقوام کے عبرتناک واقعات کے تذکرے سے مراد اس اہم نکتے کو بیان کرنا ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہر دور میں اسلامی تعلیمات کا خاص عنوان اور اسلامی تہذیب کا جزو لاینفک رہا ہے، جس سے روگردانی قابلِ سزا جرم ہے۔ قرآن میں ہے کہ ایسی روگردانی کا ارتکاب کرنے والوں پر انبیاء کرامؑ کی زبانی لعنت کی گئی تھی۔

"لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ o كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ"(۱۱۲)

ترجمہ: (بنی اسرائیل میں سے کافروں پر داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابنِ مریم کی زبانی لعنت کی گئی کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے۔ جو وہ کرتے تھے بہت برا تھا)

تفسیر قرطبی میں ہے:

"مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ ان پر لعنت ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کر کے کی گئی۔ ابو مالک نے کہا کہ جن لوگوں پر حضرت داؤد کی زبان سے لعنت کی گئی ان کو بندر بنا دیا گیا اور جن کو عیسیٰؑ کی زبان سے ملعون کیا گیا انہیں سؤر بنایا گیا اور حضرت ابنِ عباسؓ نے کہا کہ جن پر حضرت داؤدؑ کی زبانی لعنت کی گئی وہ اصحاب سبت تھے' اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ملعون ہونے والے وہ تھے جنہوں نے مائدہ نازل ہونے کے بعد کفر کیا تھا"(۱۱۳)

قرآن کی رو سے ان لوگ کا جرم یہ تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے۔ اسلامی تہذیب کی ایک لازمی صفت کی طور پر اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا آج اسلامی معاشرے کے افراد اس ذمے داری کو محسوس کرتے ہیں؟ برائی اور ظلم کے خلاف موثر آواز اُٹھانا اور لوگوں کو اچھائی کا راستہ دکھانا اُمتِ مسلمہ پر واجب ہے۔ دنیا کی کسی اور تہذیب میں ایسا اہتمام نہیں ملتا۔

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے مفہوم میں اس قدر وسعت ہے کہ اس میں ہر اچھائی کا حکم دینا اور ہر برائی سے روکنا شامل ہے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔

Marfat.com

اعتدال وتوازن

اعتدال، عدل سے ہے یعنی کسی چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھنا، بروقت کام کرنا، برمحل بات کرنا، حقدار کو اس کا پورا پورا حق پہنچانا، حکم کی تعمیل کرنا، افراط وتفریط سے بچ کے رہنا یعنی میانہ روی یا راہِ اعتدال اختیار کرنا۔

اعتدال بھی اسلامی تہذیب کی خصوصیت ہے۔ اسلامی معاشرے کے افراد اس بات کے پابند ہیں کہ وہ افراط وتفریط سے گریز کریں اور من وعن احکام وقوانین دین پر عمل پیرا ہوں۔ قرآنِ حکیم اسے اُمتِ مسلمہ کی صفت کے طور پر بیان کرتا ہے۔

" وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا"(۱۱۴)

ترجمہ: (اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسطیٰ (معتدل ومتوازن امت) بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول ﷺ تم پر گواہ بنیں)

ڈاکٹر ملک غلام مرتضےٰ لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کو امت وسط قرار دے دیا گیا کہ وہ شہادت حق کا فریضہ انجام دیں، درمیانی اُمت سے مراد وہ اُمت ہے جو عدل ومساوات پر چلنے اور پوری انسانیت پر گواہ ٹھہرنے والی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنے اُوپر گواہ بنانے والی ہے۔"(۱۱۵)

صاحب "معارف القرآن"، مفتی محمد شفیع امت وسطیٰ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"پچھلی اُمتوں میں آپ ایک طرف یہ بے اعتدالی دیکھیں گے کہ انسانی حقوق کی کوئی پرواہ نہیں، حق ناحق کی کوئی بحث نہیں، اپنی اغراض کے خلاف جس کو دیکھا اس کو کچل ڈالا۔۔۔ دوسری طرف یہ سفیہانہ رحمدلی کہ۔۔۔ خدا کے حلال کئے ہوئے جانوروں کے گوشت وپوست سے نفع اُٹھانے کو ظلم سمجھیں، اُمتِ محمدیہ اور اس کی شریعت نے ان سب بے اعتدالیوں کا خاتمہ کیا' ایک طرف انسان کو انسان کے حقوق بتلائے۔۔۔ اور دوسری طرف ہر چیز کی حد مقرر فرمائی، جس سے آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کو جرم قرار دیا۔"(۱۱۶)

اعتدال، اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی صفت اور اسلامی تہذیب وثقافت کے نمایاں خدوخال میں سے ہے جس کے تحت مسلمانوں کی زندگیوں میں عقیدہ وایمان اور کردار وعمل کے ہر پہلو کے حوالے

Marfat.com

سے توازن (Balance) پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں تو کوئی اپنی مرضی سے چار یا چھ نمازیں فرض قرار نہیں دے سکتا۔ فرضیت صیام صرف ماہ رمضان میں ہے، کوئی آگے پیچھے نہیں کرسکتا۔ عیدیں صرف دو مقرر کی گئی ہیں، کوئی ترمیم واضافہ نہیں کرسکتا۔ حلال وحرام کا حتمی تعین کر دیا گیا، کوئی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں، ہر طرح کا دائرۂ کار طے کر دیا گیا ہے، کسی کو کمی بیشی کا اختیار نہیں۔ ورنہ نتیجہ وہی ہوگا جو ضرورت سے کم یا ضرورت سے زائد کھانے پینے کا ہوتا ہے۔

اعتدال کا دوسرا مطلب خواہشات کو "Chanalize" کرنا بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ زندگی میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کے لیے خواہشات کو شریعت کے تابع کرنا لازم ٹھہرایا گیا۔ فرض کیا ایک شخص حصولِ ثواب کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے، لیکن اگر وہ اس معاملے میں شریعت کا پابند نہیں تو اس کا اچھے سے اچھا عمل بھی حد سے تجاوز کے زمرے میں آئے گا اور وہ بے اعتدالی کا مرتکب ہوگا۔ اسی طرح بدعات کو رواج دینا بھی اعتدال کے منافی رویہ ہے جس کی مذمت کی گئی ہے۔

اسلامی تہذیب کے اس پہلو کو اُجاگر کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی صفت اعتدال، شہادت حق کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے۔ گویا دینِ اسلام اور گزشتہ اقوام کے حوالے سے جو فیصلہ کُن احکام وقوانین اور اوامر ونواہی اس اُمت کو پہنچے ہیں وہ اس کے پاس امانت ہیں۔ اسی حق وصداقت کی بناء پر اس امت کو گزشتہ اقوام کے احوال اور رویوں پر بطور گواہ پیش کیا جائے گا اور اس کی گواہی کی تصدیق وتائید کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ شہادت حق کا یہ اعزاز جس قدر عظیم ہے اسی قدر اُمتِ مسلمہ پر بھاری ذمہ داری بھی عائد کرتا ہے۔ اس ذمے داری کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اعتدال کا وسیع تر مفہوم سمجھا جائے اور ہر صورت میں میانہ روی کا دامن تھاما جائے۔

احترامِ انسانیت (Respect to Humanity)

اللہ کے نزدیک بہترین مخلوق انسان ہے، جس کا مقصد تخلیق قانون فطرت کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ یہ کام صرف انسان کرسکتا ہے کیوں اسے قوت فکر وفیصلہ کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے۔ احترامِ انسانیت قانون فطرت کے تقاضوں میں سے ہے۔ قرآنِ حکیم میں مختلف مقامات پر انسان کے مقام ومرتبے کی وضاحت کرتے ہوئے احترامِ انسانیت پر زور دیا گیا ہے۔

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ"(۱۱۷)

ترجمہ: (ہم نے انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا ہے)

Marfat.com

بے شمار مخلوقات میں سے احسن تقویم کی ترکیب صرف انسان کے لیے استعمال ہوئی ہے، گویا انسان فطری طور پر ظاہری شکل وشباہت اور مقصد زندگی کے لحاظ سے ممتاز ہے، جو اس کے لیے باعثِ صد افتخار بات ہے۔

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا"(۱۱۸)

ترجمہ: (اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور سمندر میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور بہت سی فضیلت والی مخلوقات پر فضیلت دی)

معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو بکمال اہتمام عزت وتکریم سے نوازا گیا ہے۔ روئے زمین پر سواری کا انتظام، رزق حلال کی فراہمی اور دیگر مخلوقات پر برتری مقام انسانیت کے دلائل ہیں۔

علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

"وهذه الكرامة يد خل فيها خلقهم على هذه الهيئة فى امتداد القامة وحسن الصورة ' وحملهم فى البر والبحر ممّا لا يصح لحيوان سوى بنى آدم ان يكون يتحمل بارادته وقصده و تدبيره۔ وتخصيصهم بما خصّهم به من المطاعم والمشارب والملابس"(۱۱۹)

ترجمہ: (اس تعظیم وتکریم میں انسانوں کا طویل القامت ہیئت اور حسنِ صورت پر پیدا کیا جانا اور ان کو خشکی اور سمندر میں سواری کا مہیا کیا جانا شامل ہے۔ انسانوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق اپنے ارادے اور فیصلے کے اعتبار سے ان باتوں کی اہل نہیں اور انسانوں کو کھانے پینے اور لباس میں بھی درجہ فضیلت حاصل ہے۔)

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

''سب سے بڑی فضیلت عقل وشعور کی ہے جس سے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہنچانے اور اس کی مرضی اور نامرضی کو معلوم کر کے مرضیات کا اتباع کرے اور نامرضیات سے پرہیز کرے۔''(۱۲۰)

معلوم ہوا کہ فطری طور پر انسان کو سب سے زیادہ عزت وتکریم اور وقار واحترام سے سرفراز کیا گیا ہے۔ دینِ فطرت اس عنوان کو خوب اجاگر کرتا ہے اور اسے ایک ایسی صفت اور خوبی کے طور پر بیان کرتا ہے جس سے مزین ہوئے بغیر انسان صحیح معنوں میں معاشرے کی تشکیل نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

فطری وقار کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ''احترامِ انسانیت'' کے عنوان پر اس پہلو سے غور کیا جائے کہ یہ فطری و آفاقی (اسلامی) تہذیب کا وصف لازم ہے جس کو فرد کے کردار اور معاشرے کے قیام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر ملک غلام مرتضےٰ ''انوار القرآن'' میں سورۃ الاسراء کی آیت نمبر ۷۰ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''انسان نے اپنے مقام کو بہت حد تک گرا دیا تھا۔ یہاں پھر اس کے بلند اور صحیح مقام کا ذکر ہوا کیوں کہ انسان نے اپنے آپ کو ذات پات کی بندشوں کی بنیاد پر کئی ذاتوں میں تقسیم کر لیا اور یہ عقیدہ گھڑا کہ کچھ لوگ بھگوان کے سر سے پیدا ہوئے ہیں کچھ بھگوان کے پاؤں سے۔ جو سر سے پیدا ہوئے ہیں وہ ہمیشہ کے لیے پاک اور پوتر ہیں۔۔۔ جو پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں، وہ ہمیشہ کے لیے ناپاک ہیں۔۔۔ دوسری جانب یہ عقیدہ گھڑا گیا کہ حضرت آدمؑ سے لغزش ہوئی اور یہ لغزش ایسا گناہ ہے جو نسل در نسل، پشت در پشت منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچ گیا ہے۔ وہ گناہ اتنا بڑا تھا کہ کروڑوں انسانوں میں تقسیم ہو کر بھی وہ تحلیل نہیں ہوا۔۔۔

جاہلوں نے انسان کا رتبہ ایک معمہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بھیجا تو انسان کی اس تکریم کا ذکر فرمایا کیوں کہ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی انساں کو یہ عزت نہ مل سکی۔''(۱۲۱)

اسلام میں ''احترامِ انسانیت'' کو اسلامی تہذیب کی نمایاں خصوصیت کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ حقوق انسانی (Human Rights) کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے حقوق و فرائض میں توازن برقرار رکھیں۔ کیونکہ احترام انسانیت کا اول و آخر عملی تقاضا یہی ہے کہ حقوق انسانی کی پامالی نہ ہو۔ چنانچہ اس بات کی شدت سے مذمت کی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو بلا عذر دانستہ طور پر قتل کرے اور زمین میں فساد پھیلائے۔

''مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا''(۱۲۲)

ترجمہ: (جس نے کسی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کیا یا زمین میں فساد پھیلایا تو گویا

Marfat.com

اس نے پوری نسل انسانی کو قتل کیا اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے پوری نسل انسانی کو بچایا)

دینِ فطرت کی رو سے کسی کا قتل اس قدر گھناؤنا جرم ہے کہ اسے پوری نسلِ انسانی کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ حق زندگی معاشرتی حوالے سے انسان کا سب سے بڑا حق ہے اور اس کی پامالی انسانی حقوق کی پامالی کی بدترین مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احترام انسانیت کے لیے انسانی حقوق کو مکمل تحفظ فراہم کرتے ہوئے حدود و تعزیرات کا نظام متعارف کرایا گیا۔ چنانچہ قتل عمد کی صورت میں قصاص یا دیت، چوری کی صورت میں قطع ید، آبروریزی کی صورت میں کوڑے اور رجم، ڈاکہ زنی کی صورت میں جلاوطنی اور قطع اعضاء وغیرہ۔

فساد فی الارض کی کوئی بھی صورت احترامِ انسانیت کے تقاضوں سے متصادم ہے۔ اسلامی تہذیب میں ایسے کسی بھی عنصر کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ بلکہ ایسے عناصر کے خلاف قانون کو حرکت میں لا کر ان کو عبرت ناک سزائیں دی جاتی ہیں، مقصد صرف انسانی حقوق کا احترام سکھانا ہے۔ یہ مقصد صرف اخلاقیات سے حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ فسادی عناصر کی عملاً سرکوبی ضروری ہوتی ہے۔

"اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ"(۱۲۳)

ترجمہ: (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کریں اور زمین میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں۔ ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیے جائیں)

اللہ اور رسول ﷺ یعنی دین فطرت کے خلاف لڑائی کرنا سب سے بڑی بغاوت ہے جس کے نتیجے میں معاشرے میں انتشار اور فساد پھیلتا اور حقوق انسانی پامال ہوتے ہیں۔ لہٰذا سخت سزا تجویز کی گئی۔

عصر حاضر انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا دور ہے۔ بدترین جرائم کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتیں، کمزور اقوام پر مظالم ڈھا رہی ہیں اور جنگی جرائم ہو رہے ہیں۔ ایسے میں اسلامی تہذیب یہ سبق دیتی ہے کہ قانون فطرت کا نفاذ عمل میں لایا جائے تاکہ داخلی طور پر بھی معاشرہ جرائم سے پاک ہو، لوگ ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں اور بیرونی جارحیت کے نتیجے میں افغانستان اور عراق جیسے بحران بھی رونما نہ ہوں۔

Marfat.com

رواداری

دنیا میں مختلف مذاہب اور عقائد کے ماننے والے لوگ پائے جاتے ہیں۔ معاشرے کے اجتماعی امن وسکون کے لیے ان میں ہم آہنگی اور رواداری بہت ضروری ہے۔ اسلام اس سلسلے میں بھی سب سے آگے ہے جو سب کے ساتھ رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ رواداری حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے دوسروں کو برداشت کرنے اور ان کے جذبات کا لحاظ کرنے کا نام ہے۔ رواداری کے حوالے سے دین اسلام کا یہ اصول پوری دنیا کے لوگوں کے لیے چیلنج ہے کہ:

"لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ"(۱۲۴)

ترجمہ: (دین میں کوئی جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے)

دین فطرت کا تقاضا ہے کہ لوگوں کو حق و باطل کا فرق بتایا جائے اور کسی کو زبردستی دائرہ دین میں نہ لایا جائے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ کے نزدیک قابل قبول دین صرف اسلام ہی ہے، لیکن جبر و اکراہ دین فطرت کے منافی ہے۔ لہٰذا کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا اور جب تک کوئی غیر مسلم عملاً اسلام دشمنی کا مظاہرہ نہیں کرتا اسے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ"(۱۲۵)

ترجمہ: (کہہ دو کہ سچائی تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کرے)

اسی طرح فرمایا گیا کہ:

"اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا"(۱۲۶)

ترجمہ: (ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے، یا وہ شکر گزار ہو جائے گا یا کفر کرنے والا)

اسلام میں رواداری کا یہ عالم ہے کہ صرف یہی نہیں کہ کسی کو بالجبر اسلام میں داخل نہیں کیا جاتا بلکہ کافروں کے خداؤں یعنی معبودان باطل کو برا بھلا کہنے سے بھی مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔ اس میں وسیع تر مصلحت یہ بتائی گئی ہے کہ تاکہ کفار و مشرکین انتقاماً معبود برحق کے بارے میں کوئی نازیبا بات نہ کریں۔

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ"(۱۲۷)

ترجمہ: (جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں تم ان کو گالی نہ دو ورنہ وہ بلا سمجھے دشمنی میں آ کر اللہ کو برا بھلا کہیں گے۔)

Marfat.com

یہ انتہائی احتیاط اور رواداری کا مظاہرہ ہے جو صرف اسلام میں کیا گیا ہے۔

اسلام کا اصول رواداری بھی اسلامی تہذیب کا امتیازی وصف ہے۔ جس کے تحت مسلمانوں کی تربیت میں اس بات کو شامل کیا جاتا ہے کہ وہ دوسرے عقائد و مذاہب کے لوگوں پر تشدد نہیں کریں گے، انہیں مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کریں گے اور ان کی عبادت گاہوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ چنانچہ اسلامی تہذیب ہمیشہ سے اس بات کی علمبردار رہی ہے کہ اسلامی ریاستوں کی حدود میں غیر مسلموں کے تمام حقوق کو تحفظ فراہم کیا گیا۔ مسلمان ملکوں میں اقلیتوں کی عبادت گاہیں، اسلامی رواداری کا واضح ثبوت ہیں۔

اس سلسلے میں ''میثاقِ مدینہ'' کا حوالہ بطور خاص قابل ذکر ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی سربراہی میں مسلمانوں اور قبائل یہود کے درمیان طے پایا تھا وہ میثاق حضور اکرم ﷺ کی داخلہ و خارجہ حکمتِ عملی کا بہترین شاہکار اور اسلامی رواداری کا عمدہ نمونہ ہے۔

صاحب ''الرحیق المختوم'' صفی الرحمٰن مبارکپوری نے میثاق مدینہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن و سلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گرد و پیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظّم ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین، مسنون فرمائے جن کا اُس تعصب اور غلو پسندی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔''(۱۲۸)

سیّد امیر علی لکھتے ہیں:

> ''ورودِ مدینہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے جو کام کئے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ ﷺ نے مدینہ اور اس کے مضافات کی آبادی کے مختلف النوع اور باہم برسر پیکار عناصر کو باہمی عہد و پیمان کے ذریعے ایک منظّم جماعت کی صورت میں متحد کر دیا تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے ایک معاہدہ مرتب فرمایا تھا جس میں مسلمانوں کے باہمی حقوق و فرائض، اور مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی حقوق و فرائض واضح طور پر مقرر کر دیے تھے۔ صلح و آشتی کی اس زبردست تحریک سے مغلوب ہو کر یہودیوں نے معاہدے کو بخوشی منظور کر لیا تھا۔''(۱۲۹)

فی زمانہ مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ رواداری کے بارے میں اصولی تعلیم اسلامی

Marfat.com

تہذیب کی وسعت پسندی، متحمل مزاجی اور بالغ نظری پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے۔ جو تہذیب غیر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ اس قدر رواداری کی علمبردار ہو وہ اپنے پیروکاروں کی باہمی رواداری کی کس قدر متقاضی ہوگی۔ تہذیب اسلامی کے اس وصف کی روشنی میں مسلمانوں کے مختلف مسالک اور فرقوں کو اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیے جو فرقہ وارانہ تنازعات کے باعث دنیا کے سامنے اسلامی تشخص کا منفی تاثر ابھارتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ رواداری اور اپنوں کے ساتھ نفرت کا رویہ اسلام کی تعلیم نہیں۔

آفاقیت (Universality)

دین فطرت کو مکمل کر کے عالمی معاشرے کی رہنمائی کے لیے کافی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ آخری صحیفۂ ہدایت ''قرآن'' اور آخری رسول ﷺ ''حامل قرآن'' کا خطاب پوری نسل انسانی سے ہے۔

"یٰٓاَیُّهَاالنَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ"(۱۳۰)

ترجمہ: (لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ)

"یٰٓاَیُّهَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ"(۱۳۱)

ترجمہ: (لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت کے وجود سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبائل بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے)

"یٰٓاَیُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ"(۱۳۲)

ترجمہ: (لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا)

مذکورہ آیات مبارکہ کے علاوہ اور بھی کئی مقامات قرآنی اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ اسلام کا خطاب عام ہے اور پوری نسل انسانی اس کی مخاطب ہے۔ اس میں رنگ و نسل، اور جغرافیائی یا علاقائی امتیازات کا کوئی دخل نہیں۔ دنیا کے کسی بھی خطے کا رہنے والا اسلامی معاشرے کا فرد ہو سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے بھی اسلام کے عالمگیر دین اور اسلامی معاشرے کے عالمگیر معاشرہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ تکمیل دین اور ختم نبوت کا عقیدہ بذات خود اسی حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔

اس حوالے سے اسلامی تہذیب بھی آفاقی اور ہمہ گیر نوعیت کی حامل ہے، جس کے اثرات

Marfat.com

دنیا کے مختلف خطوں پر دیکھے جا سکتے ہیں اور اسلامی تہذیب کا روان تہذیب وثقافت کی رہنمائی کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں:

''اسلام مادی اور روحانی ہر لحاظ سے ایک عالمگیر تحریک رحمتہ للعٰلمینی ہے، اس لیے مسلمان ایک عالمگیر ملت ہیں۔ اس تحریک رحمتہ للعٰلمینی کی بدولت انہوں نے تقریباً آٹھ سو برس تک اقوام عالم کی قیادت کی۔''(۱۳۳)

اسلامی ثقافت کے ظہور میں عقیدہ رسالت وختم نبوت روح کی حیثیت سے کارفرما ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس چونکہ سب جہانوں کے لیے رحمت اور رہنما ہے اس لیے فی زمانہ حسن کردار اور حسن تہذیب اسلامی تہذیب ہی کا مرہونِ منت ہے۔

طہارت و پاکیزگی

اسلام میں طہارت سے مراد ہر قسم کی ظاہری اور باطنی صفائی ہے۔ عقائد وافکار، جسم اور لباس اور ماحول کی صفائی، طہارت کے مفہوم میں داخل ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ایک بڑا مقصد لوگوں کا تزکیۂ نفس کرنا تھا اور قرآن میں فرمایا گیا ''ویزکیھم'' یعنی نبی اکرم ﷺ باطل اور فرسودہ عقائد ونظریات کی اصلیت کو بے نقاب کرتے ہوئے، لوگوں کے قلب ونظر کو ان سے پاک کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں کفر وشرک اور طاغوت پرستی میں گھرے ہوئے انسانوں کی اصلاح عقیدہ عمل میں آئی اور خالص ایمان اور پختہ فکر کی بنیاد پر ایک نیا معاشرہ وجود میں آیا۔

اسلام میں طہارت کو جزو ایمان قرار دے کر پاکیزگی کے تصور کو اور زیادہ اہم اور معتبر بنا دیا گیا۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ ''الطھور شطر الایمان۔''(۱۳۴)

اہلِ ایمان کو ہر طرح کی صفائی کا بطور خاص اہتمام کرنے کا پابند کر دیا گیا۔ اس مقصد کے لیے طہارت اور ناپاکی کے فرق کو واضح کیا گیا۔ چنانچہ یہ بات اسلامی تہذیب کا لازمی جزو ٹھہری کہ مسلمان طہارت فکر کے ساتھ ساتھ اپنے جسم اور لباس کو بھی ہر طرح کی گندگی سے پاک رکھیں۔ اس امر کا اس حد تک احساس دلایا گیا کہ کوئی شخص ناپاک حالت میں قرآن کو مت چھوئے ''لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ''(۱۳۵)

بغیر وضو یا تیمّم کے نماز کو باطل قرار دیا گیا۔ یہ گویا صاف ستھرا رہنے کے لیے تربیت کا اہتمام

Marfat.com

ہے اور مراد شعوری طور پر اپنے آپ کو پاک صاف رکھنا ہے۔ پھر اسی تصور کو وسیع تر کرتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو گھر اور پورے ماحول کی صفائی اس میں شامل ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اسلام میں طہارت و پاکیزگی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

''اسلام میں پاکیزگی کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی با آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کا اصول حرام و حلال جو اس کی ثقافت کا اصل الاصول ہے اس کی اساس انسان کے طبعی ذوق پاکیزگی پر استوار ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام نے انسان کے لیے ان چیزوں کو حلال کیا ہے جو پاکیزہ ہیں۔۔۔

اسلام کے فلسفۂ زندگی پر قرآن حکیم کی روشنی میں غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس کی غائت یہ ہے کہ بنی نوع انسان پاکیزہ زندگی گزاریں لیکن پاکیزہ زندگی جو مقصود فطرت ہے انسان کو حسن یقیں اور حسن عمل سے حاصل ہوتی ہے۔''(۱۳۶)

اسلامی تہذیب و تمدن میں صفائی اور پاکیزگی کو اس حد تک باقاعدہ اہمیت حاصل ہے کہ اس تصور کی تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاں حفظان صحت کے اصولوں کو سائنسی بنیادوں پر اختیار کیا گیا اور انہوں نے طہارت اور پاکیزگی کا وسیع تر تصور اس وقت دنیا کے سامنے پیش کیا جب یورپ کے لوگ شدید جہالت کا شکار اور نہانے دھونے تک سے ناواقف تھے۔

پاکیزگی کا ایک اہم پہلو اخلاق کی پاکیزگی اور عصمت کا تحفظ ہے۔ پاکیزگی کے اس پہلو کی برکات حاصل کرنے کے لیے اسلام نے نکاح و طلاق کا ضابطہ مقرر کیا اور اس امر کی وضاحت کی کہ:

''اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ۔۔۔''(۱۳۷)

اس سے بھی اسلامی تہذیب و تشخص کے اس وصف کو اُجاگر کرنا مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے لیے پاکباز جوڑے کا خواہاں ہے اسے خود بھی اپنا دامن صاف رکھنا چاہیے۔

اسلامی تہذیب اور فنونِ لطیفہ

کسی قوم کے ذوق جمال اور حسِ لطیف (Aesthetic Sense) کا اندازہ اس کی فنونِ لطیفہ (Fine Arts) میں دلچسپی سے لگایا جاتا ہے۔ فطری تہذیب ہونے کے ناتے اسلامی تہذیب میں

Marfat.com

ذوق جمال اور حس لطیف کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلام میں انسان کی تسکین ذوق کا سامان اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ دین کے اصول و مبادی پر کوئی زد نہ پڑے اور دین کی اصل روح برقرار رہے۔ چنانچہ ایسے فنونِ لطیفہ کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے جن سے ذوق جمال کی تسکین بھی ہوتی رہے، مفاد عامہ بھی حاصل ہو اور اسلامی تشخص بھی مجروح نہ ہو۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن لکھتے ہیں:

''عربوں کی فتوحات کا دائرہ جب وسیع ہوا اور انھیں دوسری قوموں سے اختلاط کا موقع ملا' اس وقت فنونِ لطیفہ کے بارے میں بھی وسعت نظر پیدا ہوئی اور جدید فنی لحاظ سے بڑی بلند پایہ صورتیں اور اشکال بنائیں۔ ان تخلیقات کے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا کہ وہ اسلامی معتقدات کے خلاف نہ ہوں۔ مسلمانوں نے مجسّمے اور زندہ اشخاص کی تصویریں بنانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی کیونکہ اس میں بت پرستوں سے تشبہ تھا، اس لیے دورِ عباسیہ میں مسلمانوں کی پوری توجہ عمارتوں پر گل کاری اور نقش و نگار پر مرکوز رہی۔''(۱۳۸)

مجسمہ سازی، صنم تراشی اور شخصیات کی تصویریں بنانا مشرک اقوام کی تہذیب کی علامات ہیں۔ مسلمانوں کو غیر اقوام کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے اسلامی فنونِ لطیفہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ عصر حاضر میں انسانی تصویر چونکہ ذاتی شناخت کے حوالے سے ایک قومی اور بین الاقوامی ضرورت ہے جو شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور دیگر دستاویزات کے حوالے سے استعمال ہوتی ہے۔ اس میں چونکہ بت پرستی کا پہلو نہیں پایا جاتا، لہٰذا ان مقاصد کے لیے تصویر بنانا اور بنوانا مسلمانوں کے اندر ایک استثناء (Exception) ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے غیر اقوام کا اثر قبول کرتے ہوئے مجسمہ سازی بھی کی مگر اس میں ان کا نکتہ نظر دوسری اقوام سے مختلف رہا۔

مسلمانوں کے ہاں فنونِ لطیفہ میں مجسمہ سازی کا پتہ عباسی دَور سے چلتا ہے، جیسا کہ حسن ابراہیم حسن نے لکھا ہے کہ:

''عباسیوں کے دورِ اوّل میں نقش و نگار کے فن نے غیر معمولی ترقی کی تھی۔ اس دعوے کی دلیل وہ چار گنبد ہیں جو منصور نے بغداد کے چار دروازوں پر بنوائے تھے۔ ان میں سے ہر گنبد کا قطر پچاس فٹ تھا۔ ان گنبدوں پر سنہری نقش و نگار تھے۔ منصور ان گنبدوں پر گھوڑے پر سوار ہو کر چڑھتا تھا۔ ان گنبدوں پر مجسمے ایستادہ تھے

Marfat.com

جو ہوا سے گھومتے تھے۔''(۱۳۹)

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے احمد تیمور پاشا کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ محکمہ آثارِ قدیمہ والوں کو عہد عباسیہ کی کچھ ایسی تصاویر ملی ہیں جن میں جانوروں کے علاوہ انسانوں کی تصویریں بھی ہیں اور ایسی بھی جن میں عورتوں کو رقص کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

مسلمانوں کے ہاں فنونِ لطیفہ میں اس طرح کا اضافہ وقت کے ساتھ تیز تر ہوتا گیا۔ نتیجتاً مغلیہ دور میں یہ اضافہ بہت ترقی کر گیا تھا اور عصرِ حاضر میں اس حوالے سے اور بھی جدت پیدا ہو چکی ہے، لیکن فنونِ لطیفہ میں اس طرح کا کوئی بھی انداز اصولی طور پر اسلامی تہذیب و ثقافت سے متصادم ہے۔

فنونِ لطیفہ کے حوالے سے خطاطی، فن تعمیر، منظر نگاری، مصوری، موسیقی، گل کاری وغیرہ اسلامی تہذیب کے دائرۂ کار میں شامل ہیں اور فنونِ لطیفہ میں دلچسپی رکھنے والے مسلمانوں نے اس میدان میں گرانقدر کام کیا۔

''اسلام فی نفسہٖ فنونِ لطیفہ کا دشمن نہیں' البتہ وہ ان قدروں اور تصورات میں سے بعض کا مخالف ہے، جن کی ترجمانی فنونِ لطیفہ آج کر رہے ہیں۔ وہ ان کی جگہ داخل کی دنیا میں، کچھ دوسرے تصورات اور دوسری قدروں کو لاتا ہے، جو اس بات کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں کہ جمالیاتی تصور کا فنکارانہ اظہار کریں اور زیادہ آزادی اور بہتر حسن کاری کے ساتھ آرٹ کے نئے مظاہر سامنے لائیں جو اسلامی تصور کے مزاج سے اُبھرتے ہوں اور اس کی امتیازی خصوصیات کے حامل ہوں۔''(۱۴۰)

اسلامی فن تعمیر میں مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ دنیا میں پہلی تعمیر ہونے والی مسجد، مسجدِ حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سفرِ ہجرت کے دوران سب سے پہلی مسجد وادی قبا میں تعمیر کی، مدینہ کے اندر تعمیر ہونے والی پہلی مسجد' مسجدِ نبوی ﷺ ہے جو پورے عالم اسلام میں مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔ مسجدِ اقصیٰ جو مدت مدید سے یہودیوں کے زیرِ تسلط ہے، کو اسلامی دور میں ہی شان و شوکت ملی تھی۔

اس کے علاوہ مسجدِ قرطبہ (اندلس) بابری مسجد (بھارت)؛ (جسے ہندو انتہا پسندوں نے شہید کیا) بادشاہی مسجد لاہور (پاکستان) اور فیصل مسجد اسلام آباد (پاکستان) تاریخی حیثیت کی حامل مساجد ہیں۔ مزید براں عالم اسلام کے اندر مساجد کا ایک نیٹ ورک پایا جاتا ہے جو اسلامی فن تعمیر کے حوالے سے بہت قابلِ ذکر ہے۔ محمد حسن ذکی اسلامی فن تعمیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''عربوں نے بلادِ شام اور بلادِ فارس پر تسلط قائم کرنے کے بعد تعمیر کا ایک طرز خاص

Marfat.com

اختیار کیا' جوان کے مزاج اوران کی معیشت کا ہم آہنگ تھا' ان کی تعمیرات ستونوں، محرابوں اور گنبدوں کی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے ایک طرز خاص کی حامل تھیں۔ ان تعمیرات پر نقش ونگار اور جالیاں شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح بنائی جاتی تھیں۔ مساجد کے محرابوں اور اذان دینے کی مخصوص جگہوں پر نقش ونگار کی یہ جالیاں ایک دوسرے کے اوپر چڑھی ہوئی ہوتی تھیں۔''(۱۴۱)

مسجدوں کے علاوہ محلات، قلعے، بارہ دریاں، سڑکیں اور پُل اور رہائشی مکانات کی تعمیر اور ان میں جدت طرازی بھی اسلامی فن تعمیر کا حصہ ہے۔ بڑے بڑے محلات میں الحمراء، قصرِ زہرہ، تاج محل آگرہ، لال قلعہ دہلی اور شاہی قلعہ لاہور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مسجد، اسلامی تہذیب کا سب سے بڑا مرکز رہی ہے۔ جہاں اسلامی علوم وفنون کے سیکھنے سکھانے کا عمل جاری رہتا۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ انتظامی ضروریات کے تحت درس گاہ الگ کردی گئی اور مسلمانوں کی تہذیبی وعلمی ترقی کے ادوار میں مسلمان حکمرانوں نے بڑی بڑی درسگاہ ہیں قائم کیں اوران کی سرپرستی کی۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن عباسی دور میں اسلامی تہذیب وثقافت کے حوالے سے مسجد کی ہمہ گیر حیثیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس دور میں مسجدیں ثقافت کے بہت بڑے مرکز تھیں، جہاں قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی، عباسیوں کے دور میں مختلف قسم کے علوم کی تدریس کا رواج شروع ہوگیا تھا اور یہ مسجدیں علمی تحریکوں کا اہم مرکز بن گئی تھیں۔ ان میں سب سے بڑا علمی مرکز مسجد بصرہ تھی۔ جہاں ایک طرف مناظرین کا حلقہ قائم تھا جو مناظرہ اور بحث ومباحثہ کرتے رہتے تھے۔ دوسری طرف اربابِ شعر وادب کا حلقہ تھا جو شعروسخن میں منہمک رہتے تھے۔۔۔اس علمی ماحول سے مختلف ثقافتوں کا اثر اسلام پر بہت گہرا پڑا تھا۔ حتیٰ کہ بعض ثقافتیں ایک دوسرے میں مدغم ہوگئی تھیں۔ غیر عرب جب مسلمان ہوئے تھے تو ان کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ عربی زبان اور مسلمانوں کے آداب وعلوم سیکھیں تا کہ ان کے لیے قرآن کا پڑھنا پڑھانا آسان ہو جائے اور اسلامی معاشرے کا ایک جزو بن سکیں۔ اس طرح یہ نومسلم اپنی قومی ثقافت اور عربوں کی ثقافت دونوں کے جامع ہوتے تھے۔''(۱۴۲)

Marfat.com

صدیق قریشی مسجد کی تہذیبی اور ثقافتی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The Mosque was the university of Islam where all branches of learning, other than the Holy Quran, Ahadith and Jurisprudence, were taught. They included chemistry, physics, Botany, Medicine, Astronomy, Philosophy, etc. Throughout the whole curriculum memory work was especially emphasized upon. The French historical professor Renan (1823-92 A.C) points out that the scholars and universities were usually in the mosques and the students of all religions were freely admitted. Boys and girls usually were admitted at the age of six. Some greatest teachers of science were theologians at the same time. Such a one was Qazi Abu Bakr of the 8th century, who besides teaching theology in the mosque also used mathematics to develop a theory of relativity in time and space. Such schools were situated quite adjacent to the mosque, if not the mosque itself. Such institutions were located in Macca, Madina, Damuscus, Kufa, Baghdad, Basra, Nishapur, Cairo and Alexandria."(143)

ترجمہ: (مسجد کو اسلام میں یونیورسٹی کی حیثیت حاصل تھی جہاں قرآن پاک حدیث اور فقہ کے علاوہ علم کی تمام شاخوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ وہ علوم کیمیاء، طبیعیات، نباتیات، طب، فلکیات اور فلسفہ وغیرہ پر مشتمل تھے۔ پورے نصاب کی تدریس کے دوران حافظے پر خاص طور پر زور دیا جاتا تھا۔ ایک فرانسیسی مورخ پروفیسر رینان (۱۸۲۳، ۹۲) نشاندہی کرتا ہے کہ علماء اور درس گاہیں عام طور پر مسجدوں میں ہوتی تھیں جہاں ہر مذہب کے طلبہ آزادانہ طور پر داخل کیے جاتے تھے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو عام طور پر چھ سال کی عمر میں داخل کر لیا جاتا تھا۔ کچھ بڑے بڑے سائنس کے اساتذہ بیک وقت مذہبی سکالر بھی ہوتے تھے۔ ایک ایسا ہی نام آٹھویں صدی کے قاضی ابوبکر کا تھا جو مسجد میں مذہب کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ وقت اور خلاء میں تعلق کے نظریے کے ارتقاء کے لیے ریاضیات پر تجربات کرتا تھا۔ ایسے سکول اگر مسجد کے اندر نہیں تو

Marfat.com

مسجد سے متصل ضرور واقع ہوتے تھے۔ ایسے ادارے، مکہ، مدینہ، دمشق، کوفہ، بغداد، بصرہ، نیشاپور، قاہرہ اور اسکندریہ میں قائم تھے)

سراج منیر، اسلامی معاشرے میں مسجد کی مرکزی ثقافتی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نزول قرآن کے ساتھ ہی عرب روح ایک کیمیاوی اثر سے گزری اور اس کی پوری ہیئت ترکیبی تبدیلی ہو کر رہ گئی۔ نظام سلطنت کے قیام اور مختلف اقوام سے ارتباط کی وجہ سے اظہار کے نئے سانچوں کی ضرورت درپیش ہوئی۔ چونکہ اس نئے نظام معاشرت کا مرکز مسجد تھی، اس لیے مسجد ہی سے نئے اسالیب اظہار کی تلاش کا آغاز ہوا۔۔۔ چنانچہ تعمیر مساجد کی جو نہج الاسلام نے متعین کی، اس کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابتدائی ہی سے عرب ذہن کو، بلکہ دنیا کی ہر اس قوم کو جہاں اسلام پہنچا ایک ایسے ذریعۂ اظہار کی تلاش ہوئی جو اسلامی تہذیب کی روح کے نادیدہ جلال و جمال کو ظاہر کر سکے۔''(۱۴۴)

اسلامی تقریبات وتہوار

اسلام میں کسی تقریب یا تہوار کو منانے کے پس منظر میں کسی شخصیت یا وقت کا حوالہ کارفرما نہیں بلکہ اس کا تعلق کسی خاص اور فیصلہ کن اصولی عمل اور واقعے سے ہے جس کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت بھی ہو۔

مولانا محمد عنایت اللہ وارثی لکھتے ہیں:

''اور جس کسی دن، وقت اور تاریخ کو یاد اور مقدس یاد کا شرف اگر حاصل ہوا ہے تو اس شرف وتقدس کی شان کا مستحق دراصل وہ کارنامہ ہے جو اس وقت میں انجام پایا۔ اس لیے یاد کے قابل ستائش وخراجِ تحسین کی حق دار صرف اور صرف وہی شخصیت ہو گی، جس کے ہاتھوں سے قابلِ ستائش کوئی نیک عمل ظہور میں آیا۔ بلکہ ذرا اور غور کرو گے تو نگاہیں اس سے آگے جائیں گی۔ یہ شخصیت بھی اسی بناء پر قابلِ احترام سمجھی جائے گی کہ اس سے یہ نیک عمل سرزد ہوا۔ غرض اس سارے سلسلے میں اصل الاصول نیک عمل ہی نظر آئے گا۔''(۱۴۵)

ذیل میں اسلامی تقریبات جو حقیقت میں اسلامی تہذیب کے مظاہر ہیں، کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

Marfat.com

نماز جمعہ

جمعے کے دن مسلمانوں پر نماز ظہر کی جگہ نماز جمعہ فرض ہے۔ سورۃ جمعہ میں ارشاد فرمایا گیا۔

"یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌلَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"(۱۴۶)

ترجمہ: (مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر (نماز جمعہ) کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ اگر تم جانو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے)

نماز جمعہ کی فضیلت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ اجتماع جو نماز پنجگانہ سے بڑا ہے، اس کا مقصد اور فلسفہ بھی منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یہ فضیلت جمعہ کے دن کی وجہ سے نہیں بلکہ اس حکم کے باعث ہے جس کے تحت اس دن عبادت و بندگی کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔ یومِ جمعہ کی فضیلت کا ایک حوالہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر آدم علیہ السلام کو اِسی دن پیدا فرمایا تھا، جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسی دن ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے۔

" وَخَلَقَ آدم علیہ السلام بعد العصر من یوم الجمعۃ فی آخر الخلق فی آخرِ ساعۃٍ من ساعات الجمعۃ' فیھا مِن العَصرِ اِلَی اللیّل"(۱۴۷)

ترجمہ: (اللہ نے آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز عصر کے بعد، آخری مخلوق میں سے، جمعہ کی آخری گھڑیوں میں عصر اور رات کے درمیانی وقت میں پیدا فرمایا)

مطالعۂ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جمعہ کا دن پہلے اہلِ کتاب پر فرض گیا تھا مگر انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور وہ اس فرضیت کی سعادت سے محروم رہ گئے، پھر یہ دن امت مسلمہ کے لیے خاص کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"نحن الآ خرون الاولون السابقون یوم القیامۃ بَیْدَ اَنھم اوتوا الکتاب من قبلنا ثم ھذا یومھم الذی فرضَ علیھم فاختلفوا فیہ فھدانا اللّٰہ والناس لنا فیہ تبع الیھود غدا والنصاری غدٍ"(۱۴۸)

ترجمہ: (ہم سب سے آخر میں آنے والے ہیں لیکن (درجے میں) سب سے پہلے ہیں قیامت کے دن ان (یہود و نصاریٰ) سے آگے بڑھ جائیں گے۔ اگرچہ ان کو کتاب ہم

Marfat.com

سے پہلے ملی ہے۔ جمعہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تھا لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی توفیق ہمیں بخش دی۔ اس معاملے میں لوگ ہمارے پیچھے پیچھے ہیں۔ کل (ہفتہ) یہودیوں کی باری ہے اور برسوں یعنی اتوار) کو عیسائیوں کی)

فضیلت جمعہ میں بہت سی صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں اور ترک جمعہ سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عن وَدْعِهِمُ الْجُمُعَات اَو لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ ثم ليكونن من الغافلين"(۱۴۹)

ترجمہ: (لوگ نماز جمعہ ترک کرنے سے باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔ پھر وہ یقیناً غفلت کا شکار ہو جائیں گے)

نمازِ جمعہ کا اہتمام اسلامی تہذیب کا بہت بڑا امتیاز ہے۔ اس کا مقصد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرنا اور ان کے درمیان اتحاد اور اخوت کی فضا قائم کرنا ہے۔ مسلمانوں کا یہ تہوار ان کے لیے بہت سے ثمرات کا حامل ہے۔ اس کی پابندی ان پر لازم ہے، لیکن اگر اس سلسلے میں مسلمانوں کے عملی رویوں کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مجموعی طور پر نماز جمعہ کے حکم کے ایک حصے پر عمل کیا جاتا ہے۔ یعنی کاروبار زندگی تو معطل ہو جاتا ہے اور وہ بھی سارے دن کے لیے جبکہ حکم جزوی تعطل کا ہے۔ گویا اس میں بھی افراط پائی جاتی ہے اور دوسری طرف یہ کہ لوگوں کی اکثریت نمازِ جمعہ ادا کرنے کی بجائے کھیل تماشے میں مصروف رہتی ہے۔ اصل حکم کی روشنی میں رویوں پر نظر ثانی کی ضرورت ہے تاکہ صحیح اسلامی تاثر اُجاگر ہو سکے۔

اجتماعاتِ عیدین

اسلامی تہواروں میں صرف دو تہوار ایسے ہیں جو عید کے نام سے منائے جاتے ہیں۔ "عید الفطر" اور "عید الاضحیٰ" ان دونوں عیدوں کے منانے میں اصولی فلسفہ کارفرما ہے۔ عید الفطر کا تہوار نعمت صیام پر شکرانے کا انداز ہے۔ جبکہ عید الاضحیٰ حضرت ابراہیمؑ کی منفرد تعمیل حکم الٰہی کی یاد میں کہ انہوں نے اپنا اکلوتا بیٹا اللہ کے حضور قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔

عیدین کے تہوار خالص اسلامی تہذیب کے آئینہ دار ہیں بشرطیکہ ان حدود و قیود کی پابندی کی جائے جو شریعت نے مقرر کر رکھی ہیں۔ دو رکعت نماز کے بغیر یہ تہوار بے معنی و بے روح ہیں۔ اسی

Marfat.com

طرح کسی اسراف اور نمود و نمائش کے بغیر باہمی اخوت کا مظاہرہ کرنا اور غرباء کو احترام کے ساتھ خوشیوں میں شامل کرنا شریعت کے تقاضے ہیں، جن کو پورا کرنا عید منانے کے فلسفے میں شامل ہے۔ تحائف کا تبادلہ بھی پر خلوص جذبہ محبت کے تحت ہونا چاہیے ''تہادوا تحابوا''(۱۵۰) کے الفاظ اسی امر کی وضاحت کرتے ہیں۔ چونکہ عید کے تہواروں پر بہت زیادہ تحائف ایک دوسرے کی طرف بھجوائے جاتے ہیں لہٰذا اس موقع پر اس تعلیم کی روح کو پیش نظر رکھنا اور بھی ضروری ہے۔

عنایت اللہ وارثی لکھتے ہیں کہ:

''رہا عید کے تحفے تحائف کا معاملہ اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں کھانوں کے مبادلے کا سوال، سو اس میں۔۔۔ اگر اتنی اصلاح کر لیں جسے ان لوگوں نے خود بگاڑ رکھا ہے کہ یہ لین دین اصل اسلامی روح کے تحت ہو۔۔۔ تو یقیناً اس مقدس تقریب کی روحانی قدریں محفوظ رہیں۔''(۱۵۱)

حج بیت اللہ

حج عظیم اجتماع اور اسلامی تہذیب کا مظہر ہے۔ رکن اسلام ہونے کے ناتے دیگر ارکان کی طرح حج بھی اسلامی تہذیب کا لازمی جزو ہے، مگر اسے دیگر ارکان سے ہٹ کر مسلمانوں کے سالانہ بین الاقوامی تہوار کی حیثیت حاصل ہے۔

''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ''(۱۵۲)

ترجمہ: (اللہ کی رضا کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اس کے راستے کی استطاعت رکھتے ہوں اور جس نے انکار کیا تو اللہ جہانوں سے بے پرواہ ہے)

اس حکم الٰہی کے تحت دنیا کے ہر گوشے سے ہر سال لاکھوں مسلمان ایک لباس (احرام) میں ملبوس ہو کر ایک ہی کلمے (تلبیہ) کا ورد کرتے ہوئے، ایک ہی طرح کے کام (مناسک حج) انجام دیتے ہوئے اور ایک ہی مقام (بیت اللہ) میں حاضر ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کا یہ تہوار ان کے عالمی اتحاد اور مساوات انسانی کا مظہر ہے جس میں عالم اسلام کے لیے معاشی اور سیاسی فوائد بھی مضمر ہیں اور مشترکہ لائحہ عمل مرتب کرنے کا موقع بھی۔

چنانچہ جو صاحب استطاعت اس حکم سے انحراف کرتا ہے وہ بہت سنگین حرکت کا مرتکب ہوتا ہے، یہ انحراف اصل میں اسلامی تہذیب و تشخص کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔ قرآن

Marfat.com

وحدیث میں اسے کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔فرمان نبوی ہے کہ ''جس نے استطاعت کے باوجود حج نہ کیا وہ چاہے یہودی کی موت مرے یا نصرانی کی۔''(۱۵۳)

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۹۷ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''معلوم ہوا کہ وہ شخص جو حج کا فریضہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اور اس کے باجود اس فرض سے عہدہ براء نہ ہو تو وہ شخص اللہ کے نزدیک کفر کا ارتکاب کر رہا ہے۔''(۱۵۴)

حج کے وسیع تر فلسفے کے پیش نظر اسے جامع العبادت بھی کہا جاتا ہے اور اس کی اہمیت یہ ہے کہ جو شخص طاقت کے باوجود سفر حج اختیار نہیں کرتا وہ اسلامی تہذیب و معاشرت کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔

یہ امر بھی ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ فریضہ حج مسلسل عملی جدوجہد سے عبارت ہے۔یہ کوئی رسمی تہوار نہیں بلکہ اسلامی تہذیب کا ہمہ پہلو عنوان ہے۔عمل حج کی مناسبت سے مہینے کا نام ذوالحجہ ہے۔

یومِ عاشور

یومِ عاشور (دس محرم) بھی اسلامی تاریخ میں خصوصی فضیلت و اہمیت کا حامل ہے۔اس کی اہمیت قابلِ ذکر ہے مثلاً اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کی ذلت آمیز غلامی سے نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تھا۔چنانچہ اس احسان کے شکرانے کے طور پر سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا اور یہ روزہ قوم بنی اسرائیل میں جاری رہا، زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔

''عن ابن عبّاس ؓ قال قَدِمَ النبّیُ ﷺ المدینة ، فَرَأی الیَهُودَ تصومُ یومَ عاشَوراء، فقال ما هٰذا؟ قالُوا هٰذا یومٌ صالحٌ، هٰذا یَومُ نَجَّی اللّٰهُ بنی اسرائیلَ مِن عَدُّوهِم فَصَامَهُ مُوسَیٰ قال فَأنَا اَحق بمُوسٰی مِنکُم ، فَصَامهُ وأمَرَ بصیامِهِ''(۱۵۵)

ترجمہ: (حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے۔آپ ﷺ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ یہودیوں نے بتایا کہ یہ ایک اچھا دن ہے جس دن کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات دی تھی۔اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ

Marfat.com

پھر ہم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ (شکرانے میں) شریک ہونے کے تم سے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی اس کا حکم دیا)

صحیح روایات میں یہ بھی ہے کہ جب یہودیوں نے اسلام دشمنی کی اور اس میں بڑھتے گئے تو ان سے مخالفت کا حکم نازل ہوا جس پر رسول اللہ ﷺ نے یوم عاشور سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ ساتھ ملانے کا اشارہ دیا تھا۔ تاہم یوم عاشور کا روزہ صیام رمضان کی فرضیت سے پہلے تھا۔ بعد میں اس کی حیثیت نفلی روزے کی رہ گئی۔

"عن عائشةؓ اَنّ قُرَیْشاً کانت تصومُ یَوم عاشوراء فی الجاهلیة' ثم أَمَرَ رسول اللّٰہ ؐ بصیامه حتی فرض رمضان ' فقال رسول اللّٰہ ؐ من شاء فلیَصُمهُ ومَن شاءَ فلیُفطرهٗ"(۱۵۶)

ترجمہ: (حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کا حکم دیا یہاں تک کہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو چاہے، یوم عاشور کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔)

وقت کے ساتھ ساتھ یومِ عاشور کی مذکورہ حیثیت اور فضیلت کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اس دن کو صرف واقعۂ کربلا اور شہادتِ حسینؓ کے ساتھ خاص سمجھا جانے لگا اور یہی بات عوام الناس میں رائج ہوگئی۔ حالانکہ یہ واقعہ ۶۱ سن ہجری میں پیش آیا جبکہ شریعت کی تعلیمات اور اصول واحکام اس سے نصف صدی قبل مکمل ہو چکے تھے اور اصولی طور پر کسی تقریب یا تہوار منانے کا انحصار شریعت پر ہے۔

واقعہ کربلا تاریخِ اسلام کا بہت بڑا المیہ ہے مگر جہاں تک اسے ایک مذہبی تہوار کے طور پر منانے کا تعلق ہے تو ایسا کرنے کے لیے قرآن وحدیث اور تعامل صحابہؓ سے ثبوت کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر کسی تہوار کو اسلامی تہوار اور اسلامی تہذیب کا شعار قرار نہیں دیا جا سکتا۔

○○○

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ عطش درانی اسلامی تہذیب وثقافت (شاخ زریں مطبوعات لاہور، ۱۹۸۶ء) ص:۹

۲۔ برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، یورپ پر اسلام کے احسان (شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور، ۱۹۸۱ء) ص:۳۱۱

۳۔ القرضاوی، محمد یوسف، ڈاکٹر، فکری تربیت کے اہم تقاضے، ترجمہ وتعلیق: سلطان احمد اصلاحی (اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، نومبر ۱۹۸۶ء) ص:۲۰

۴۔ پکتھال، محمد مارماڈیوک، اسلامی تہذیب وثقافت (شاخ زریں مطبوعات لاہور) ص: ۱۴

۵۔ البقرہ (۲) ۴۲

۶۔ انیس احمد، ڈاکٹر، قرآن اور ثقافت، قرآن نمبر، سیارہ ڈائجسٹ لاہور (س ن) ۲/۴۷۷

۷۔ ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، ص:۳۸_۳۹

۸۔ ارسلان، امیر شکیب، اسباب زوال امت (نور محمد کارخانہ کتب، آرام باغ کراچی، ۱۹۵۳ء)، ص:۱۱۶، ۱۱۷

۹۔ خان، عبدالرحمٰن، منشی، دور جدید کے عالمگیر فتنے، ص:۱۰۴

10- Hussain Nasr, Sayyed, Science and Civilization in Islam (Suhail Academy Lahore, 1987) p-22.

۱۱۔ نووی، یحییٰ بن شرف الدین، الامام، اربعین نووی، تبویب: ابوضیاء محمود احمد غضنفر (نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور، نومبر ۲۰۰۲ء) ص:۹۱

۱۲۔ البقرہ (۲) ۲۰۸

۱۳۔ ناصر نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، ص:۴۳

۱۴۔ احسان اکبر، پروفیسر (مضمون) اقبال کا نظریہ ثقافت، ص:۱۲۶

۱۵۔ خان، عبدالرحمٰن منشی، دورِ جدید کے عالمگیر فتنے، ص:۲۱۱

16- Ahmad, Akbar,s, Islam Today (I.B Tauris Publishers London, Newyork, 1999) P-7.

۱۷۔ اداریہ: قرآن نمبر، سیارہ ڈائجسٹ لاہور (نمبر شمارہ وتاریخ درج نہیں) ۲/۷۶۹

18- B.k. Naryan, pan Islamism (Republican Books, Temple Road Lahore, 1987) P-1.

۱۹۔ افتخار حسین، آغا، ڈاکٹر، قوموں کی شکست وزوال کا مطالعہ، ص:۵۱

20- Huntington, The clash of civilizations and remaking of world order, p-50.

Marfat.com

۲۱۔ انگ مارکارلسن، ماہنامہ ''عالم اسلام اور عیسائیت'' اسلام آباد، ترجمہ: ادارہ، دسمبر: ۱۹۹۶ء، ص: ۶
۲۲۔ کمال الدین، خواجہ، تمدن اسلام (مسلم بک سوسائٹی لاہور، ۱۹۳۰ء) ۱/۱۰۹
۲۳۔ خان، شمس تبریز، اسلام اور غیر اسلامی تہذیب، ترجمہ و تلخیص اقتضاء الصراط المستقیم از شیخ الاسلام ابن تیمیہ (مجلس نشریات اسلام، کراچی) ص: ۲۸
۲۴۔ عبدالروَف، ڈاکٹر (مضمون) چودہ صدیاں نمبر، سیارہ ڈائجسٹ لاہور، رفروری / مارچ: ۱۹۸۱ء، ص: ۱۴۷
25- Ahmad, Akbar,s, Islam today, p-6
۲۶۔ ملک، امجد حیات، نیو ورلڈ آرڈر (احد پرنٹنگ پریس لاہور، ۱۹۹۶ء) ص: ۲۹۱
۲۷۔ عزالدین، نجلاء 'The Arab World'، مترجم: ڈاکٹر محمود حسین (مکتبہ جدید لاہور، ۱۹۶۰ء) ص: ۶۳
۲۸۔ سلطان محمود، مکتوب لندن، سنڈے میگزین (نوائے وقت لاہور، ۱۶/ مارچ ۲۰۰۳ء) ص: ۴
29- P.Y. Lucke & Jhon B. Karmon, Rural Churches in South India (London, 1968) p-40.
30- Ahmad Abdullah, the Heights- glory of Muslim World (Tanzeem Publishers Karachi, 1984) p-96
31- Murray T.Titus, Islam in India & Pakistan (Royal Book Company Karachi, First-published:1929, in pakistan:1990) p-39
۳۲۔ سالک، عبدالمجید، مسلم ثقافت ہندوستان میں (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۲ء) ص: ۶۹
۳۳۔ محمد یونس، قاری، ڈاکٹر، مالدیپ۔ تاریخ و تہذیب (ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء)، ص: ۱۷۴
34-Ahmad Abdullah, the Heights, p-95
35-Ahmad Addullah, the Heights, p-96
۳۶۔ برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، یورپ پر اسلام کے احسان، ص: ۳۱۰۔۳۱۱
۳۷۔ فواد، فخر الدین، ڈاکٹر، حضور ﷺ نے انسانی معاشرے کو کیا دیا؟ (مضمون) ترجمہ: خلیل حامدی، رسول ﷺ نمبر، نقوش، مدیر: محمد طفیل، شمارہ نمبر: ۱۳۰ (ادارہ فروغ اردو لاہور، ۱۹۸۳ء) ۳/۴۴۹
۳۸۔ باسورتھ، کلیفورڈ۔ ای، اسلامی سلطنتیں، ترجمہ: یاسر جواد (نگارشات، لاہور، ۲۰۰۲ء) ص: ۵۴
۳۹۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکر اقبال (بزم اقبال لاہور، طبع ششم: ۱۹۸۸ء) ص: ۱۹۸۔۱۹۹
۴۰۔ یزدانی، محمد حنیف، مولانا، محمد ﷺ رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں (مکتبہ نذیریہ لاہور، مئی: ۱۹۷۹ء)، ص: ۷۲۔۷۳
41- Bernard lewis, the Crisis of Islam (phoenix, London, 2003) p11
۴۲۔ صارم، عبدالصمد، پروفیسر، قرآن، اسلام اور رسول ﷺ (غیر مسلموں کی نظر میں) رسول ﷺ نمبر، نقوش،

Marfat.com

۴۷۹تا۴۴۷/۴

۴۳۔عطش درانی، اسلامی تہذیب وثقافت، ص:۹

۴۴۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، ترجمہ: ڈاکٹر جمیل جالبی (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۹ء) ص:۳۷۶

۴۵۔ التوبہ(۹)۳۳، الفتح(۴۸)۲۸، الصّف(۶۱)۹

۴۶۔ النجم (۵۳) ۳

۴۷۔ النساء (۴) ۶۵

۴۸۔ الحشر (۵۹) ۷

۴۹۔ البقرہ (۲) ۲۱

۵۰۔ الذاریات (۵۱) ۵۶

۵۱۔ الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، ابومحمد، سنن دارمی، کتاب النکاح، باب نہی عن التبتّل، حدیث نمبر:۲۱۷۴ (نشر السنۃ ملتان، س ن) ۵۸/۲

۵۲۔البقرہ (۲) ۲۰۸

۵۳۔ظفر اللہ، خالد، ڈاکٹر، غیر مسلم اقوام سے مشابہت، ماہنامہ ''محدث'' لاہور، اپریل: ۲۰۰۲ء ص:۳۲

۵۴۔ظفر اللہ خالد ڈاکٹر، ایضاً، ص:۴۰

۵۵۔سراج منیر: ملتِ اسلامیہ۔تہذیب و تقدیر(مکتبہ روایت لاہور، اشاعت دوم : ۱۹۹۷ء)، ص: ۸۳۔۸۴

۵۶۔ مصری، شلتوت، محمود، الاسلام، ترجمہ: سیّد عبدالرشید ندوی (نفیس اکیڈیمی، اردو بازار کراچی، طبع اول: ۱۹۸۶ء) ص:۲۷

۵۷۔النساء (۴) ۴۸

۵۸۔المائدہ (۵) ۹۰

۵۹۔ النساء (۴) ۲۳

۶۰۔ محمد بن حبیب، کتاب المحبّر (دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، س ن) ص: ۳۲۴

۶۱۔ محمد بن حبیب، ایضاً ص:۳۲۵

۶۲۔ایضاً ؍؍ ؍؍ص:۳۳۰

۶۳۔ایضاً ؍؍ ؍؍ص:۳۲۰

۶۴۔ایضاً ؍؍ ؍؍ص:۳۱۱

Marfat.com

65- MUHAMMAD QUTB, Islam the Misunderstood Religion (Islamic Publications Ltd. Lahore, 6th Edition:1982.)P-139-40.
66- MUHAMMAD QUTB, Islam the Misunderstood Religion, P-141.
٦٧۔ مودودی، سیرت سرورِ عالم ﷺ، مرتبین: نعیم صدیقی، عبدالوکیل علوی (ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع چہارم: ۱۹۸۳ء) ۱/۱۲۰۔۱۲۱
٦٨۔ الاحزاب (۳۳) ۷۰
٦٩۔ التوبہ (۹) ۱۱۹
۷۰۔ مالک بن انس، الامام، الموطا، تحقیق وتعلیق: ڈاکٹر بشار عواد معروف (دار الغرب الاسلامی، بیروت، طبع ثانی: ۱۹۹۷ء) ۲/۵۸۹
۷۱۔ ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، ص: ۵۱۴، ۵۱۵
۷۲۔ البقرہ (۲) ۲۱، ۲۲
۷۳۔ الشوریٰ (۴۲) ۱۱
۷۴۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن (ادارۃ المعارف کراچی) ۱/۱۳۸
۷۵۔ لقمان (۳۱) ۱۳
۷٦۔ النحل (۱٦) ۱۷
۷۷۔ الاخلاص (۱۱۲) ۱، ۴
۷۸۔ آل عمران (۳) ۳۲
۷۹۔ النساء (۴) ۵۹
۸۰۔ المائدہ (۵) ۹۲
۸۱۔ الانفال (۸) ۱
۸۲۔ الانفال (۸) ۲۰
۸۳۔ الانفال (۸) ۴٦
۸۴۔ النساء (۴) ۸۰
۸۵۔ النساء (۴) ۱۷۴
۸٦۔ آلِ عمران (۳) ۳۱
۸۷۔ القزوینی، ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابوعبداللہ، سنن ابنِ ماجہ، کتاب الفتن، باب الوقوف عند الشبہات (دار السلام للنشر والتوزیع الریاض، ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر: ۳۹۸۴، ص: ۵۷۳
۸۸۔ البقرہ (۲) ۱٦۸
۸۹۔ المائدہ (۵) ۳

Marfat.com

۹۰۔ البقرہ (۲) ۲۷۵

۹۱۔ المائدہ (۵) ۷۲

۹۲۔الاعراف (۷) ۳۲

۹۳۔ جالندھری، فتح محمد، مولانا، حاشیہ: القرآن الحکیم مع ترجمہ فتح الحمید (تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور۔کراچی) ص:۲۴۹۔۲۵۰

۹۴۔ الاعراف (۷) ۳۳

۹۵۔ النساء (۴) ۲۳

۹۶۔ ابنِ ماجہ، سنن ابنِ ماجہ، کتاب الزھد، باب الحیاء، حدیث نمبر:۴۱۸۴، ص:۶۱۰

۹۷۔ النور (۲۴) ۳۱،۳۰

۹۸۔ القرطبی، الانصاری، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، الامام، الجامع لاحکام القرآن (بیروت ۱۹۸۸ء) ۱۴۸/۶

۹۹۔ العلق (۹۶) ۵،۱

۱۰۰۔ آل عمران (۳) ۱۶۴

۱۰۱۔الزمر (۳۹) ۹

۱۰۲۔المجادلہ (۵۸) ۱۱

۱۰۳۔القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۵۶/۸

۱۰۴۔ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، ص:۵۶۷

105- Ameer Ali, Syed, Spirit of Islam (Christophers 40 William IV Street London, W.C. 1955) P-361-62.

106- Muhammad Saud, Islam and Evolution of science (Islamic Research Institute,International Islamic university Islamabad,1 edition:1986) p-10

۱۰۷۔آلِ عمران (۳) ۱۰۴

۱۰۸۔البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، الجامع الصحیح، کتاب الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل (دارالسلام، الریاض، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء) حدیث نمبر:۳۴۶۱، ص:۵۸۲

۱۰۹۔النیشابوری، القشیری، مسلم بن حجاج، الامام، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان (دارالسلام، الریاض ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء) حدیث نمبر ۱۷۷، ص: ۴۲

۱۱۰۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابوعیسیٰ، جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی الامر (دارالسلام الریاض، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) حدیث نمبر:۲۱۶۹، ص:۴۹۸

Marfat.com

۱۱۱۔ احمد بن حجر، الشیخ، تطہیر المجتمعات، ترجمہ: مولانا نصیر احمد ملی (مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۱۹۸۸ء) ص: ۲۴۸

۱۱۲۔ المائدہ (۵) ۷۸، ۷۹

۱۱۳۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۶۳/۳

۱۱۴۔ البقرہ (۲) ۱۴۳

۱۱۵۔ ملک، غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر، انوار القرآن (ملک سنز لاہور، طبع سوم: ۱۹۹۶ء) ۷۹/۱

۱۱۶۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ۳۷۱/۱

۱۱۷۔ التین (۹۵) ۲

۱۱۸۔ الاسراء (۱۷) ۷۰

۱۱۹۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۹۰/۵

۱۲۰۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ۵۰۶/۵

۱۲۱۔ ملک، غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر، انوار القرآن، ۳۳۵/۱

۱۲۲۔ المائدہ (۵) ۳۲

۱۲۳۔ المائدہ (۵) ۳۳

۱۲۴۔ البقرہ (۲) ۲۵۶

۱۲۵۔ الکہف (۱۸) ۲۹

۱۲۶۔ الدھر (۷۶) ۳

۱۲۷۔ الانعام (۶) ۱۰۸

۱۲۸۔ مبارکپوری، صفی الرحمٰن، مولانا، الرحیق المختوم (المکتبہ السلفیہ لاہور، ۱۹۹۷ء) ص: ۲۶۳

۱۲۹۔ امیر علی، سید، روح اسلام، ص: ۱۴۶

۱۳۰۔ البقرہ (۲) ۲۱

۱۳۱۔ الحجرات (۴۹) ۱۳

۱۳۲۔ النسآء (۴) ۱

۱۳۳۔ ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، ص: ۷

۱۳۴۔ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضو، حدیث نمبر: ۵۳۴، ص: ۱۱۴

۱۳۵۔ الواقعہ (۵۶) ۷۹

۱۳۶۔ ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، ص: ۴۹۳

Marfat.com

۱۳۷۔النور (۲۴) ۲۶

۱۳۸۔حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر، مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، ترجمہ: علیم اللہ صدیقی (مجلس ترقیٔ ادب، لاہور، ۱۹۵۹ء) ۶۰۰/۲

۱۳۹۔حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر، ایضاً، ص: ۶۶۴

۱۴۰۔قطب شہید، سیّد، العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام، مترجم: ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ترجمہ بعنوان: اسلام میں عدل اجتماعی (اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، اشاعت ہفتم، ۱۹۸۵ء) ص: ۵۵۷

141- Zakey, M. Hassan, the Attidtude of Islam towards Painting (Faculty of Arts, Fouad 1 University Cairo, 1940) 7/1-15.

۱۴۲۔حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر، مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، ۶۵۰/۲

143- Qureshi, Muhammad Saddique,the Role of Mosque in Islam (United Publishers pvt. Limited, Lahore. 1st edition. 1989) P-56

۱۴۴۔سراج منیر، ملتِ اسلامیہ۔تہذیب وتقدیر، ص: ۱۵۶

۱۴۵۔وارثی، محمد عنایت اللہ، مولانا، اسلامی تقریبات (پروگریسو بکس، ۴۰۔بی، اردو بازار لاہور: طبع اول: ۱۹۸۵ء) ص: ۶۱

۱۴۶۔الجمعہ (۶۲) ۹

۱۴۷۔مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب صفات المنافقین، باب ابتداء الخلق، حدیث نمبر: ۷۰۵۴، ص: ۱۲۱۶

۱۴۸۔البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجمعہ، باب فُرضِ الجمعہ، حدیث نمبر: ۸۷۶، ص: ۱۴۱

۱۴۹۔مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب التغلیظ فی ترک الجمعۃ، حدیث نمبر: ۲۰۰۲، ص: ۳۴۷

۱۵۰۔مالک بن انس، الامام، الموطا، کتاب الجامع، ماجاء فی المصافحہ، حدیث نمبر: ۲۶۴۱، ص: ۴۹۵

۱۵۱۔وارثی، محمد عنایت اللہ، مولانا، اسلامی تقریبات، ص: ۱۶۵

۱۵۲۔آل عمران (۳) ۹۷

۱۵۳۔الترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء من التغلیظ فی ترک الحج، دارالسلام ریاض ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، حدیث نمبر: ۸۱۲، ص: ۲۰۳

۱۵۴۔ملک غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر، انوارالقرآن، ۱۰۷/۱

۱۵۵۔بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث نمبر: ۲۰۰۴، ص: ۳۲۱

۱۵۶۔مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث نمبر: ۲۶۴۱، ص: ۴۶۰

Marfat.com

باب سوم

عصری ثقافت میں عورت کا مقام

طبقاتِ انسانی میں عورت کی حیثیت بہت نازک اور قابلِ ذکر ہے۔ نسلِ انسانی کے وجود اور نشو وارتقاء میں مرد اور عورت کا مساوی کردار ہے' لہٰذا دونوں کے حقوق وفرائض بھی یکساں ہیں لیکن ان حقوق وفرائض کی نوعیت میں ایک فطری اور طبعی فرق ہے۔ مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی طے شدہ دائرۂ کار کی پابندی ضروری ہے تا کہ زندگی کے اخلاقی اور جنسی پہلو میں توازن برقرار رہے۔ دنیا کی مختلف تہذیبوں میں عورت کو متنازعہ حیثیت میں پیش کیا گیا۔ ایک طرف انسانی حقوق کو پامال کرتے ہوئے اُس کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک روا رکھا گیا تو دوسری طرف حقوق اور آزادیٔ نسواں کے نام پر معاشرے کا اخلاق تباہ کر دیا گیا۔ عصری تہذیب میں عورت کی حیثیت کے بارے میں حدود سے وسیع تر تجاوز پایا جاتا ہے' جس کے باعث ترقی اور روشن خیالی کے باوجود وسیع تر تہذیبی بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔

آزادانہ اختلاطِ مردوزن

مردوزن کا آزادانہ اِختلاط معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے تباہ کن ہے۔ دَورِ جدید میں مخلوط محفلوں کے فروغ میں تھیٹر اور فلم نے بنیادی کردار ادا کیا ہے' جسے باقاعدہ انڈسٹری کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ منشی عبدالرحمٰن خان اپنی تصنیف 'دورِ جدید کے عالمگیر فتنے' میں تحریر کرتے ہیں:

''دورِ جدید کی صنعتوں میں جو صنعت مشینی، جراثیمی اور ایٹمی اسلحہ سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئی ہے اور وبائی صورت اختیار کر رہی ہے وہ فلم سازی کی صنعت ہے۔۔۔ صرف لاہور میں ہر روز ایک لاکھ کے قریب لوگ سینما دیکھتے ہیں۔ پچیس لاکھ روپیہ خرچ کرتے ہیں جس سے صوبائی حکومت کو زائد از پندرہ کروڑ روپیہ سالانہ آمدنی

Marfat.com

ہوتی ہے۔اس لیے ہر حکومت فلمسازوں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کرتی ہے۔۔۔
یہ صنعت فلمسازی فواحش وعریانیت کی اشاعت کر کے نسلِ نو کو بُری طرح تباہ و برباد کر رہی ہے۔''(۱)

یہ کتاب (دَورِ جدید کے عالمگیر فتنے) ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ اِس طرح درج بالا اعداد و شمار تقریباً بیس پچیس برس پرانے ہیں۔ اِس دوران میں فلم انڈسٹری زیادہ منظّم اور مضبوط ہو چکی ہے اور اس کے اثرات اُسی قدر زیادہ گہرے ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ٹیلی ویژن اور کیبل نیٹ ورک میں روز افزوں جدّت اور ترقی کی بدولت سینماؤں کی طرف لوگوں کے رجحان میں کسی حد تک کمی آئی ہے لیکن فلم انڈسٹری پہلے کی نسبت زیادہ وسعت اختیار کر چکی ہے اور شوبز کی سرپرستی اور ترویج و اشاعت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

مرد و زن کے اختلاط پر مبنی فلم سازی اور سینما گھر مغربی تہذیب کا لازمی جزو ہے، جسے اسلامی ملکوں سمیت مشرقی معاشرے میں بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی ہے اور اِس کے تباہ کُن اور اخلاق سوز اثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے اِسے تفریح اور اصلاح کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''اِن فلموں میں عریانیت، فحاشی اور جنس پرستی کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے، خاص طور سے غیر ملکی فلموں میں جو ہیجان انگیزی اور ہوس پرستی کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ وہ نوجوان نسل کے لیے سمّ قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں۔''(۲)

نذر الحفیظ ندوی لکھتے ہیں:

''فلم میں ڈکیتی کے مناظر دیکھ کر کمسن بچوں نے بنک پر ڈاکہ ڈالا، بسوں کو لوٹا، دہلی حکومت کی خود اپنی رپورٹ کے مطابق زنا اور زنا بالجبر کے واقعات میں ڈش انٹینا کی آمد کے بعد سے ۸۰% اضافہ ہو چکا ہے۔''(۳)

فلم انڈسٹری کے حوالے سے مغربی اور بھارتی معاشرہ ایسا شوبز تخلیق کر رہا ہے، جس میں کسی شرافت اور ضابطۂ اخلاق کی پابندی نہیں کی جاتی اور عریانی اور فحاشی کو اوّلین ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کے اثرات مشرقی معاشرے پر بھی مرتب ہو رہے ہیں۔ اِن دنوں پاکستان اور بھارت کے درمیان اعتماد کی بحالی کی باتیں موضوعِ بحث ہیں۔ اِس سلسلے میں دیگر مختلف اقدامات کے ساتھ ساتھ مشترکہ ''فلم سازی'' بھی زیرِ غور ہے۔

Marfat.com

چونکہ دونوں ملکوں کا نظریۂ اساس اور تہذیب وتمدن مختلف ہے۔ لہٰذا دونوں ملکوں کی مشترکہ فلم سازی پاکستان کے حوالے سے مناسب نہیں سمجھی جارہی۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' نے اسے اپنے اداریے کا موضوع بناتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اخباری اطلاع کے مطابق حکومتِ پاکستان نے انڈین فلم سازوں کو پاکستان میں فلم سازی کی اجازت دے دی ہے۔۔۔ پاکستان کا قیام دوقومی نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا، جس کا مطلب ہے کہ اس ملک کی اپنی اقدار اور مخصوص روایات ہیں جس کے زندہ رہنے سے ہی یہ ریاست زندہ رہ سکتی ہے۔ بھارت ہماری نظریاتی اساس کو گرانے کے لیے مختلف طریقوں سے ہم پر یلغار کررہا ہے۔ انڈین، چینلز کے ذریعے بے حیائی اور جنسی آوارگی کا جو طوفان آرہا ہے۔ اس کے پیشِ نظر حکومتِ پاکستان نے انڈین چینلز پر پابندی عائد کردی لیکن عملی تضاد کا یہ عالم ہے کہ اِس کے ساتھ ہی اب حکومت نے پاکستان کی سرزمین پر بھارت کے فلم سازوں کو فلم سازی کی اجازت دے دی ہے جس سے ہماری تہذیب اور تمدن پر نہایت بُرے اثرات مرتب ہوں گے۔''(۴)

عورت کا زندگی کی معاشی دوڑ میں حصہ لینا معیوب نہیں، مگر اس کے لیے ضابطے کی پابندی ضروری ہے۔ ورنہ خطرناک صورتِ حال پیدا ہوسکتی ہے—— حکیم محمد سعید جرمن عورت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ پہلے معاشرے میں ان کا کوئی مقام نہیں تھا، مگر جب عورت معاشی میدان میں آئی تو اُسے برابر کے حقوق ملے۔ لیکن بے جا آزادی کے باعث اخلاقی قدریں پامال ہوگئیں۔

''انیسویں صدی کے آخر تک جرمنی میں بھی عورتوں کو اپنے معاشرے میں زیادہ بلند مقام حاصل نہیں تھا۔۔۔ یورپ کے بعض ملکوں اور خاص طور پر امریکہ کی عورتوں کے حالات کا مطالعہ کر کے انہیں بھی مرد کے دوش بدوش چلنے کا شوق چرایا اور وہ گھر کی چاردیواری سے باہر نکل آئیں۔ اُنہوں نے زندگی کے ہر شعبے میں حصہ لینا شروع کردیا۔۔۔ اس روش میں دوسری جنگِ عظیم کے بعد بے تحاشا اضافہ ہوا ہے اور یہ راہ اختیار کرنے کے لیے انہیں حالات نے مجبور کررکھا ہے۔۔۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اقتصادی زندگی کے شیرازے کو مضبوط رکھنے کی خاطر جرمنی کو اخلاقی قدروں سے بھی ہاتھ دھولینا پڑا ہے۔''(۵)

Marfat.com

جدید دَور میں شوبز سے وابستہ عورتیں معاشی لحاظ سے تو بہت خوش حال ہیں مگر اس کلچر نے عورت کی اصل حیثیت مسخ کر دی اور بہت سی خرابیوں کو جنم دیا۔ عورت کے حوالے سے دینِ فطرت نے جو قدریں مخصوص کی تھیں وہ برباد ہو گئیں اور چادر اور چار دیواری کا تصور دم توڑ گیا۔

عورت بطور 'ٹریڈ مارک'

عصرِ حاضر کی تہذیب میں عورت کی حیثیت ایک ''ٹریڈ مارک'' کی سی ہو کے رہ گئی ہے۔ کسی کارخانے کی کوئی 'Product' عورت کی تصویر کے بغیر مشتہر نہیں کی جاتی۔ اسے عورت کی آزادی کا نام دیا جاتا ہے اور اسے اشتہارات میں جس قدر نمایاں کر کے پیش کیا جاتا ہے اُسی قدر مارکیٹ میں اس چیز کی مانگ بڑھتی ہے۔ قانونِ فطرت کی رُو سے یہ عورت کی تذلیل ہے۔

منشی عبدالرحمٰن خان لکھتے ہیں:

> ''تھیٹروں، نائٹ کلبوں، سینماؤں، فلم سازی کے مرکزوں میں خوبصورت عورتوں کی مانگ بڑھ گئی۔ ان کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر چراغِ محفل بنا دیا گیا اور ان کو زیادہ سے زیادہ ننگا کر کے اور ہیجان انگیز صورتوں میں پیش کر کے شہوانی انار کی پھیلا کر لوگوں کی جیبوں پر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیے گئے۔ بعض نے عورتوں کو کرایہ پر چلانا شروع کر دیا' بعض نے ان کی بین الاقوامی تجارت شروع کر دی' بعض نے شہوت انگیز عریاں فیشن نکالے' بعض نے فحش لٹریچر اور برہنہ تصویروں کے ذریعہ لوگوں کی جیبوں سے روپیہ نکالنے کی مہم شروع کر دی۔ تجارتی اور فلمی اشتہاروں پر ہوٹلوں' ریسٹورانوں اور شوروم میں عورت کو ہی مرد کی کشش کے لیے کھڑا کیا گیا۔ یہاں تک کہ ایئر ہوسٹس کے انتخاب کا معیار بھی حُسن قرار پایا۔''(۶)

اسی موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد تقی عثمانی نے بھی لکھا ہے کہ:

> ''اشتہار بازوں نے عورت کو پیسے کمانے کا ایک حربہ سمجھ لیا ہے۔ چنانچہ دُنیا کی کسی چیز کا اشتہار عورت کی تصویر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ قدرت کی اس مقدس تخلیق کو ایک کھلونا بنا کر استعمال کیا جا رہا ہے اور اس کے ایک ایک عضو کی عریاں نمائش کر کے گاہکوں کو مال خریدنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔''(۷)

تہذیب حاضر کے حوالے سے یہ بات واضح ہے کہ ''Commercialism'' عام ہے۔ ہر چیز اور ہر کام کو تجارتی نکتۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ اُس سے کس طرح سے زیادہ سے زیادہ مادی

Marfat.com

فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اِس مقصد کے لیے ہر طرح کے اشتہار کو روا سمجھا جاتا ہے۔ خواہ اُس سے شرم وحیا اور اخلاق وکردار کے تقاضے مجروح ہی کیوں نہ ہوتے ہوں۔ اِس ضمن میں انتہا یہ ہے کہ عوام الناس کو متوجہ کرنے کے لیے ان کے سفلی جذبات کو اُبھارا جاتا ہے اور صنفِ نازک کو مختلف طرح کے اشتہارات میں دِکھا کر گویا اُسے ''ٹریڈ مارک'' کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

اس طرح کی صورتِ حال کو جاہلیت کا ایک انداز قرار دیتے ہوئے شمیمہ محسن لکھتی ہیں:

''قدیم جاہلیت نے عورت کو جس پستی کے گڑھے میں پھینک دیا اور جدید جاہلیت نے اسے آزادی کا لالچ دے کر جس ذلت سے دوچار کیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے، ایک طرف قدیم جاہلیت نے اُسے زندگی کے حق سے محروم کیا تو جدید جاہلیت نے اُسے زندگی کے ہر میدان میں دوش بدوش چلنے کی ترغیب دی اسے گھر کی چہار دیواری سے نکال کر شمع محفل بنا دیا۔ عورت اپنی عزت و وقار کھو بیٹھی۔ آزادی کے نام پر غلامی کا شکار ہوگئی۔''(۸)

المیہ یہ ہے کہ مادیت پرستی کے غلبے کے باعث صنفِ نازک کا ایک طبقہ اس احساس سے محروم ہو چکا ہے کہ اُس کا اصل مقام ومرتبہ اور دائرہ کار کیا ہے۔ چنانچہ تھیٹر، فلم، ریڈیو، ٹیلی وژن اور اخبارات ورسائل میں اس طبقے کا اپنے ہیجان انگیز انداز میں کام کرنے پر فخر کرنا اس بے حسی کی واضح دلیل ہے جسے 'روشن خیالی' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عصرِ حاضر کی تہذیب کا یہ وہ لازمی جزو ہے جس کے تباہ کُن نتائج پورے معاشرے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

روزنامہ نوائے وقت کے سنڈے میگزین کے مضمون نگار نے برطانیہ میں مقیم ایک پڑھی لکھی پاکستانی مسلمان گھرانے کی لڑکی کے بارے میں لکھا کہ وہ مغربی تہذیب کی اِس قدر رسیا ہے کہ اپنے خاندان، ملک بلکہ مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بنی رہی۔ مضمون نگار نے اس کے نام کی جگہ (ش ر) کا علامتی نام استعمال کیا ہے۔

''(ش ر) اوسلو یونیورسٹی کی گریجوایٹ ہے۔۔۔ حقوقِ نسواں کی نام نہاد حامی اس لڑکی نے شوبز کو اپنا ذریعہ معاش بنانے کا فیصلہ کیا اور اس نے ناروے کے نائٹ کلبوں اور تھیٹروں میں ایک ایسی پرفارمنس کا سلسلہ شروع کر دیا جو مقامی لوگوں کے ساتھ ساتھ پاکستانیوں کے لیے بھی انتہائی دلآزاری اور حیرت کا کوہِ گراں ثابت ہوئی ہے۔۔۔ اُس نے سنڈے ٹائمز سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ مجھے

Marfat.com

اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں ہے کہ میرے بارے میں مولویوں اور دیگر پاکستانیوں کی کیا رائے ہے۔ یہ بڑے تنگ نظر اور پسماندہ سوچ کے لوگ ہیں۔۔۔ کچھ عرصہ قبل ناروے کے ایک کثیر الاشاعت سیاسی جریدے کے سرورق پر اس کی ایک تصویر شائع ہوئی تھی کہ سیکنڈے نیوبا بھر کے لوگ اس تصویر کو دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے کیونکہ قبل ازیں ان ممالک میں ایک پاکستانی مسلمان لڑکی کا امیج شرم وحیا کی دیوی جیسا تھا۔''(۹)

عریانیت اور جنسی جرائم

عریانی اور فحاشی کسی معاشرے کی تباہی اور ہلاکت کا سب سے بڑا سبب ہوا کرتا ہے۔ موجودہ معاشرے پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ عریانی عصرِ حاضر کی تہذیب وثقافت میں نمایاں درجہ حاصل کر چکی ہے اور عریانی کا عنصر اخلاقی بے راہ روی اور جنسی جرائم کو فروغ دے رہا ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''لیکن یہ حقیقت انتہائی کرب انگیز اور تشویش ناک ہے کہ اب دوسری سینکڑوں بدعنوانیوں کے ساتھ اس معاملے میں بھی ہمارے معاشرے کا مزاج نہایت تیزی سے بدل رہا ہے' اور مغربی معاشرے کی وہ تمام لعنتیں جنہوں نے مغرب کو اخلاقی تباہی کے آخری سرے پر پہنچا دیا ہے' رفتہ رفتہ ہمارے درمیان بھی تباہ کن رفتار سے سرایت کر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خاندان جو عفت وعصمت، شرافت ومتانت اور شرم وحیا کے اِعتبار سے مثالی سمجھے جاتے تھے۔ اب ان میں بھی بے پردگی، آوارگی، بے حیائی اور جنس پرستی کا عفریت اپنی پوری فتنہ سامانیوں اور تباہ کاریوں کے ساتھ گھس آیا ہے۔''(۱۰)

عصرِ حاضر کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ پردہ اور حیاداری کو ترقی کے راستے کی رکاوٹ سمجھا جاتا ہے اور ترقی کرنے کے لیے شعوری طور پر اِن رکاوٹوں کا انسداد کیا جاتا ہے، چنانچہ مرد وزن کا آزادانہ اختلاط اور عریانی کے مختلف انداز اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

زینب یاسمین نے اپنے ایک مضمون لکھا ہے کہ:

''ترقی'' بہت وسیع لفظ ہے۔ اس کا کوئی ایک ہی مقررہ مفہوم نہیں ہے۔ مسلمان ایک زمانے میں خلیجِ بنگال سے لے کر اٹلانٹک تک حکمران رہے ہیں۔ سائنس اور فلسفہ

Marfat.com

میں وہ دُنیا کے اُستاد تھے۔تہذیب وتمدن میں کوئی دوسری قوم ان کے ہمسر نہ تھی۔ معلوم نہیں اس چیز کا نام کسی لغت میں ترقی ہے یا نہیں۔اگر یہ ترقی تھی تو یہ ترقی اُس معاشرے نے کی تھی جس میں پردے کا رواج تھا۔۔۔ پردے نے اس ترقی سے مسلمانوں کو نہیں روکا تھا۔''(۱۱)

ڈاکٹر طاہر القادری اسلامی معاشرے پر مغربی ثقافتی یلغار کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''اسلامی ممالک میں شراب نوشی اور رقص وسرود کی محفلیں معمول کی بات بن گئی ہیں۔نائٹ کلبیں اور بدکاری کے اڈے وجود میں آ گئے۔اس دَور کا بدترین یورپی تحفہ ننگی فلموں کی صورت میں ہمارے معاشرے میں دن بدن پھیل رہا ہے۔گھروں' ہوٹلوں اور منی سینما کے علاوہ تمام سینما گھروں میں ننگی فلموں نے عام لوگوں کی اخلاقیات پر کاری ضرب لگائی۔''(۱۲)

مزید لکھتے ہیں:

''شادی کے نام پر ہم نے کتنی زنجیروں کو اپنا طوق گلو کر لیا ہے اور کن کن لعنتوں میں اپنے آپ کو جکڑ رکھا ہے۔ایک مہندی کی رسم ہی کو لے لیجئے جس میں سوائے بے حیائی' عریانی اور فحاشی کے اور کچھ نہیں۔نیم خیز بچیاں اور مست شباب دوشیزائیں بے حجاب ہو کر نیم عریاں لباس میں ناچتی، گاتی بجاتی سڑکوں پر نکل آتی ہیں''(۱۳)

فحاشی وعریانی بنیادی اور فطری طور پر اسلامی مزاج سے متصادم ہے۔اس لیے مغرب کی طرف سے فحاشی کی لہر نے اسلامی معاشرے پر بہت گھمبیر اور تشویشناک اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کے نتیجے میں مسلمان نظریاتی اور اخلاقی طور پر روبہ زوال ہو رہے ہیں اور ان کی معاشرتی زندگی منتشر ہو رہی ہے۔

مرد وزن کا آزادانہ اختلاط اخلاقی برائیوں کے بعد معاشرے کو جنسی بحران کا شکار کر دیتا ہے۔مغرب میں اِس رجحان کی پرواہ نہیں کی جاتی اگرچہ اس کے نتیجے میں مغربی معاشرہ مکمل تباہی سے دوچار ہے جبکہ اِسلام اس کا سنجیدگی سے نوٹس لیتا ہے اور معاشرے کو برائی سے پاک کرنے کے لیے اُس کے اسباب ومحرکات پر ضرب لگاتا ہے اور کسی ایسی بات کو تہذیب کے مفہوم میں داخل نہیں ہونے دیتا' جو انسانی قدروں اور فطری تقاضوں کو مجروح کرتی ہو۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں مردوں اور عورتوں کے دائرہ کار کا تعین نہایت وضاحت سے کر دیا گیا ہے۔۔۔

Marfat.com

سیّد مودودی لکھتے ہیں کہ :

''اسلام اپنے مقصد کے لحاظ سے معاشرت کا ایسا نظام وضع کرتا ہے جس میں عورت اور مرد کے دوائرِ عمل بڑی حد تک الگ کر دیے گئے ہیں' دونوں صنفوں کے آزادانہ اختلاط کو روکا گیا ہے اور ان تمام اسباب کا قلع قمع کیا گیا ہے جو اِس نظم وضبط میں برہمی پیدا کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں مغربی تمدن کے پیشِ نظر جو مقصد ہے اس کا طبعی اقتضاء یہ ہے کہ دونوں صنفوں کو زندگی کے ایک ہی میدان میں کھینچ لایا جائے اور ان کے درمیان وہ تمام حجابات اُٹھا دیے جائیں جو اُن کے آزادانہ اختلاط اور معاملات میں مانع ہوں اور ان کو ایک دوسرے کے حسن اور صنفی کمالات سے لطف اندوز ہونے کے غیر محدود مواقع بہم پہنچائے جائیں۔''(۱۴)

اِسی طرح مغربی تہذیب وتمدن کی پیروی میں مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے سیّد مودودی لکھتے ہیں کہ :

''ہاتھ اور منہ ہی نہیں بلکہ خوبصورت مانگ نکلے ہوئے سر اور شانوں تک کھلی ہوئی بانہیں اور نیم عریاں سینے بھی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیے جاتے ہیں اور جسم کے باقی ماندہ محاسن کو بھی ایسے باریک کپڑوں میں ملفوف کیا جاتا ہے کہ وہ چیز ان میں سے نظر آ سکے جو مردوں کی شہوانی پیاس کو تسکین دے سکتی ہو۔۔۔ گھر سے نکلنے کی جو اجازت محض ضرورت کی قید اور کامل ستر پوشی وحیاداری کی شرط کے ساتھ دی گئی تھی۔ اس کو جاذبِ نظر ساڑیوں اور نیم عریاں بلاؤزوں اور بے باک نگاہوں کے ساتھ سڑکوں پر پھرنے، پارکوں میں ٹہلنے' ہوٹلوں کے چکر لگانے اور سینماؤں کی سیر کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔۔۔ مصر' ٹرکی اور ایران میں سیاسی آزادی رکھنے والے ذہنی غلام اِس سے بھی دس قدم آگے نکل گئے ہیں۔ وہاں ''مسلمان'' عورتیں ٹھیک وہی لباس پہننے لگ گئی ہیں' جو یورپین عورت پہنتی ہے تاکہ اصل اور نقل میں کوئی فرق ہی نہ رہے اور اس سے بھی بڑھ کر کمال یہ ہے کہ ترکی خواتین کے فوٹو بارہا اِس ہیئت میں دیکھے گئے ہیں کہ غسل کا لباس پہنے ساحل سمندر پر نہا رہی ہیں۔۔۔ وہی لباس جس میں تین چوتھائی جسم برہنہ رہتا ہے اور ایک چوتھائی حصہ اس طرح پوشیدہ ہوتا ہے کہ جسم کے سارے نشیب وفراز سطحِ لباس پر نمایاں ہو جاتے ہیں''(۱۵)

Marfat.com

مولانا محمد بخش مسلم عصری تہذیب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''آج کل جدید تہذیب اور معاشرت میں وہ سوسائٹی نہایت دلچسپ اور اعلیٰ سمجھی جاتی ہے جس میں مرد اور عورت آزادانہ طور پر شریک ہوں اور اس طرف رجحان بڑھ جاتا ہے۔ لیکن اِس کے خطرات بمقابلہ فوائد کے زیادہ ہیں اور یہ ایک اصول ہے کہ شر کثیر کے لیے خیر قلیل کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ شراب میں بھی منافعے ہیں مگر اس کے نقصانات بہت ہیں۔ اسی لیے اسلام نے اس کو حرام مطلق بتایا ہے۔''(۱۶)

نام نہاد آزادی جو اصل میں ذہنی آوارگی اور بے راہروی ہے، اِنسان کو فکری طور پر منتشر کر دیتی ہی۔ یہاں تک کہ وہ مسلمہ اخلاقی ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے نہیں جھجکتا اور اپنے ہاتھوں اپنی تذلیل محسوس نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی عورت' مغربی عورت جیسا لباس زیب تن کر کے خوش ہوتی ہے اور تجارتی اور کمرشل اداروں کے لیے ''ٹریڈ مارک'' بننے میں فخر سمجھتی ہے۔ عورت کے کردار کا یہ بگاڑ خاندان اور معاشرے کے اخلاقی اور تہذیبی بگاڑ کا باعث ہے۔

مغربی تہذیب کو جنسی آوارگی اور حرام کاری کی مضرتوں سے ہمکنار کرنے میں وہاں کے ''روشن خیال'' شاعروں اور ادیبوں کا بنیادی کردار ہے۔ اس سلسلے میں انگریز ماہر معاشیات مالتھس' جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر 'Bebel' ڈاکٹر 'Drysdale' فرانسیسی لیڈر 'Paul Robin' برطانوی فلسفی 'مِل' وغیرہ نے جنسی حدود سے تجاوز پر لوگوں کو اُکسایا اور اپنے موقف کی تائید میں اخلاق سوز استدلال پیش کرتے ہوئے نکاح کو غیر ضروری اور غیر فطری جبکہ جنسی بے راہروی اور بدکاری کو عین تقاضائے فطرت قرار دیا اور رفتہ رفتہ اس رجحان نے مغربی معاشرے کو مکمل طور پر اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

(تفصیل کے لیے سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب 'پردہ' دیکھی جاسکتی ہے)

حیاسوزی پر مبنی مغربی تہذیب کے فروغ میں بیسویں صدی کے ماہرِ نفسیات فرائیڈ کے نظریات نے بھی انتہائی گھناؤنا کردار ادا کیا، جو کہ یہودی النسل تھا۔ اس نے اِنسان کو پیدائشی طور پر جنسی مریض قرار دے کر فحاشی، بے حیائی اور جنسی بے راہ روی کو سند جواز فراہم کی 'یہودیت' کے مصنف یوسف ظفر نے لکھا ہے کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ فرائیڈ اور اُس کے پیروکاروں نے ''جنس'' کا ڈھنڈورہ پیٹ کر اس مرض کو علم کی حدود سے نکال کر عمومیت کی اُس سطح پر پہنچا دیا جہاں عوام نے اسے حقیقت جان کر حقائقِ حیات ہی سے منہ موڑ لیا۔ علم کا ارتقاء رُک گیا' اِنسان کی سوچ

Marfat.com

انفعالی اور حیوانی ہوگئی۔ مذہبی اقدار کی صداقتیں بے معنی نظر آنے لگیں اور گھروں سے محبتیں، پاکیزہ رشتے اور مقدس تعلقات رُوٹھ گئے، ماں باپ، بہن، بیٹی، انہیں اس طرح عریاں کیا گیا کہ جنگل کا دَور بھی پیچھے رہ گیا۔ یہ بیسویں صدی کا وہ المیہ ہے، جسے فرائیڈ ہی سے منسوب کیا جا سکتا ہے اور فرائیڈ یہودیت کی فتنہ انگیز سازش کا ایک عیار مہرہ!!''(۱۷)

عصرِ حاضر کا المیہ ہے کہ مغربی معاشروں کی اخلاقی بے راہروی کے زیرِ اثر مشرقی اور اسلامی معاشرے کے بگڑے ہوئے نوجوان لڑکے ایسی اخلاق باختہ حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں (مثلاً سیٹیاں بجانا، آوازے کسنا بلکہ اِغواء تک کر گزرنا وغیرہ) کہ باکردار لڑکیاں اُن کے شر سے بچنے کے لیے ضرورت کے تحت بھی گھروں سے نکلنے سے کتراتی ہیں۔

اکبر ایس احمد، جنہوں نے اسلامی معاشرے کا گہرا مطالعہ کرتے ہوئے تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اپنی تصنیف ''Discovering Islam'' میں لڑکیوں کو تنگ کرنے کے لیے اُن کے ساتھ فحش مذاق کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"In Iran today a girl not dressed in a blank veil runs the risk of having stones or acid thrown at her. Many pakistani girls recounted similar stories. Boys would walk alongside a girl wearing trousers and ask, 'why do women wear trousers?' and one of them would answer, 'so that they can air their private parts.' Being pinched on the buttocks or breasts is a common lazard in a cairo or karachi bazaar. Humiliated, girls are nervous about leaving the homes; it also creates ambiguity about their sex and role in society."(18)

ہماری نوجوان نسل کا یہ بگاڑ جس نے خواتین کو ہراساں کر کے مشرقی اور اسلامی معاشرے کی قدروں کو پامال کر رکھا ہے۔ اس سے لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں منفی تاثر پیدا ہوتا ہے جس کی آڑ میں غیر مسلموں کو اسلامی تہذیب کو ہدفِ تنقید بنانے کا موقع ملتا ہے۔

دینِ اسلام، تہذیب و ثقافت کا پاکیزہ تصور پیش کرتا ہے، جس کے تحت اِنسان حقیقی اِنسانی قدروں سے قریب تر ہوتا ہے۔ اُسے ایک ایسا ارفع اخلاقی معیار دیا جاتا ہے جو تمام تر مادی اور

Marfat.com

روحانی ترقی کا ضامن ہے۔ اسلام کے دیے ہوئے اس اخلاقی معیار کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عفت اور حیاداری کو اوّلین اہمیت دیتے ہوئے مردوں اور عورتوں کے دائرۂ کار کا تعین کیا گیا ہے تا کہ اِن دونوں طبقاتِ نسلِ انسانی کا منفرد تشخص بھی برقرار رہے اور فطری طور پر جہاں دونوں کا مشترکہ کردار ضروری ہے وہ بھی مؤثر طور پر سامنے آ سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ عفت وعصمت کی اہمیت کو دُنیا کے تمام مذاہب نے محسوس کیا ہے مگر فروغ حیاداری کے لیے جو ضابطہ ''شریعتِ محمدی ﷺ'' نے دیا ہے وہی صحیح معنوں میں عظمتِ اخلاق وکردار کا ضامن ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ"(۱۹)

ترجمہ: (اے نبی ﷺ! مسلمانوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے پاکیزہ تر بات ہے بے شک اللہ تعالیٰ ان کے سب کاموں سے خوب واقف ہے)

اہل ایمان خواتین کے بارے میں فرمایا گیا:

"فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا"(۲۰)

ترجمہ: (تم (نامحرم مردوں سے) نزاکت کے ساتھ بات نہ کرنا کہ جس شخص کے دل میں (جنسی) بیماری ہو وہ لالچ کرنے لگے اور اصول کی بات کرو)

"وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى"(۲۱)

ترجمہ: (تم اپنے گھروں میں رہو اور پچھلی جاہلیت کے طرح اپنی زیب وزینت کی نمائش نہ کرو)

تہذیب جدید، اسلامی تعلیمات کے برعکس ایسا نقشہ پیش کر رہی ہے جس میں دورِ جاہلیت کی جھلک نمایاں ہے۔ بایں وجہ معاشرے میں اخلاقی اور جنسی برائیاں عام ہو رہی ہیں۔

ڈاکٹر طاہر القادری 'منہاج الافکار، میں ''تبرج الجاهلیه'' کے تحت لکھتے ہیں:

''(دورِ جاہلیت کی طرح نمائشِ حسن، عریانی، آبرو باختگی اور اظہارِ جمال کی مختلف صورتیں) نمود ونمائش اور زندگی کے مصنوعی وقار اور حسن وجمال کی خاطر طرح طرح کے فیشن اور بے جا مصارف، جو بالخصوص عورتوں کی زیب وزینت کی نذر ہوتے ہیں' تبرج الجاهلیه کے ضمن میں آتے ہیں۔ ان کی وجہ سے معاشرتی اور عائلی زندگی

Marfat.com

نہ صرف ناروا بوجھ تلے دب جاتی ہے بلکہ پوری زندگی تصنع اور بناوٹ کی آئینہ دار ہو جاتی ہے۔۔۔ بلکہ اخلاقی فضائل اور مذہبی اقدار کا بھی دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ یہ نمائش معاشرے میں گناہ و معصیت کی زندگی کو بھی رواج دیتی ہے۔''(۲۲)

دورِ جدید میں ''تبرج الجاهلیه''کو قانونی طور پر جائز تسلیم کیا جا چکا ہے۔اس کی واضح مثال دنیا کے مختلف ممالک اور خاص طور پر مغربی ممالک میں ''مقابلہ ہائے حُسن'' کا اِنعقاد ہے۔ یہ مقابلے اصل میں عریانی کے مقابلے ہیں جن میں مخصوص عورتوں کو زیادہ سے زیادہ عریاں حالت میں پیش کیا جاتا ہے۔ میڈیا ان مناظر کی کوریج کرتا ہے اور یوں فحاشی و عریانی کے یہ مناظر پوری دنیا میں مشتہر ہوتے ہیں اور عوام الناس پر منفی اور خوفناک اثرات مرتب کرتے ہیں۔

جنسی تسکین کے بارے میں ہر مذہب میں ضابطۂ اخلاق کی پابندی لازم ہے۔ کیوں کہ جنسی بگاڑ پورے معاشرے کے بگاڑ پر منتج ہوتا ہے چنانچہ جنسی آوارگی اور بے راہروی دنیا کے ہر مذہب اور قانون میں ممنوع ہے لیکن جب فحاشی عام ہو جائے اور لوگ فحاشی و عریانی کو باعثِ فخر و وقار سمجھنے لگ جائیں تو جنسی بے راہروی اور جرائم کی راہ ہموار ہو جاتی ہے اور اعلیٰ تہذیبی اقدار پامال ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ رجحان مغربی معاشرے میں عام ہے اور دیگر معاشروں میں بھی سرائت کر رہا ہے۔

علی احمد مزروعی لکھتے ہیں:

''وہ قدریں جو جنگِ عظیم دوم کے بعد تک مغربی معاشرے میں عام تھیں، برق رفتاری سے روبہ زوال ہوتی گئیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ازدواجی زندگی سے باہر جنسی تعلقات جو کچھ پہلے تک عام مغربی معاشروں میں قابلِ نفرین تھے اور کہیں کہیں آج بھی کتابی حد تک مذموم ہیں آج ان کا چلن عام ہے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی تک ہم جنس پرستی جو برطانیہ میں قابل مواخذہ جرم تھی آج بیشتر مغربی ممالک ایسے کسی قانون کو ہم جنس پرستوں کے ''انسانی حقوق'' کی خلاف ورزی تصور کرتے ہیں۔''(۲۳)

یہ بھیانک رجحان زمانہ جاہلیت سے مشابہ ہے حالانکہ عصرِ حاضر کو سائنس اور روشن خیالی کا شرف حاصل ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

''عرب کے لوگ قحبہ گری کے بھی عادی تھے۔ ایک عورت کئی مردوں سے تعلق رکھتی جب بچہ پیدا ہوتا تو جس کے متعلق کہہ دیتی کہ یہ بچہ اس کا ہے تو وہ اُسی کا تسلیم کر لیا جاتا۔''(۲۴)

Marfat.com

گویا یہ حرکت اخلاقی اور معاشرتی طور پر جائز تھی اور معاشرت کا حصہ تھی جو عصرِ حاضر میں رواج پا چکی ہے۔

''اب مذہب سے آزاد معاشرت میں جنس کی ارزانی اور فراوانی ہے۔ اس وقت مغرب میں لوگ ان تفریحی مشاغل کو زیادہ اختیار کر رہے ہیں جو جنسی تسکین بہم پہنچاتے ہیں۔''(۲۵)

محمد قطب 'Islam the Misunderstood Religion' میں لکھتے ہیں:

"Prostitution has come to stay as a social necessity in European civilization because a "civilized" European does not want to burden himself by supporting any one, a wife or children. He wants to have pleasure without the responsibilities that it generally carries with it."(26)

ترجمہ: (یورپی تہذیب میں قحبہ گری ایک سماجی ضرورت بن چکی ہے کیونکہ ایک ''مہذب'' یورپی اپنے بیوی بچوں کی کفالت کا بوجھ نہیں اُٹھانا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ ذمہ داریاں پوری کیے بغیر لطف اندوز ہوا جائے)

آیاتِ قرآنی مجموعی طور پر مسلمان مرد و عورت کی پہچان پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کے لیے شرم وحیا سے آراستہ ہونا اور اپنے اپنے دائرہ کار میں رہنا اوّل و آخر ضروری ہے تا کہ معاشرہ اخلاقی اور جنسی فساد سے محفوظ رہے۔

قرآن نے عفت و حیاداری کی پابندی عائد کر کے اور فحاشی و عریانی کے خلاف آواز اُٹھا کر معاشرے کو انتشار سے بچایا ہے۔ اخلاقی اور جنسی بے راہروی بالآخر قوموں کی ہلاکت پر منتج ہوتی ہے اور ان کی تہذیب مٹ جاتی ہے۔ اِس ضمن میں مغربی معاشرے کا تحقیقی تجزیہ بہت ضروری ہے جو جنسی و اخلاقی جرائم کی آماجگاہ ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''مغرب کے ''ترقی یافتہ'' ممالک ایک پیکرِ عبرت بن کر ہمارے سامنے ہیں، جنہوں نے فحاشی کے عفریت کو کھلی چھوٹ دے کر اپنے آپ کو اُس مقام پر پہنچا لیا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔''(۲۷)

شیخ محمد علی 'اسلام اور افکارِ نو' میں مغربی تہذیب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مغرب میں عفت و عصمت کی حفاظت۔۔۔ اور اسلام کی طرح خاندانی و عائلی

Marfat.com

نظام کو بگاڑ سے بچانے کا کوئی موزوں انتظام موجود نہیں ہے۔اس لیے جنسی آزادی، آزادانہ میل جول، نکاحوں کی کمی، طلاقوں کی زیادتی اور نکاح کے بغیر عارضی ناجائز تعلقات کی کثرت کے باعث انسانیت پھر سے حیوانیت کی طرف واپس جا رہی ہے۔(۲۸)

پروفیسر خورشید احمد نے ایک مغربی ماہرِ طبیعیات مسز ہڈسن شا کا بیان نقل کیا ہے کہ:

''مغربی تہذیب کی عمارت کی دیواریں منہدم ہونے کو ہیں۔۔۔اس کی بقاء کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول پر پابندی عائد کی جائے☆۔''(۲۹)

اسلامی تعلیمات کی رُو سے حیا جزوِ ایمان ہے اور فحاشی و بے حیائی سے حلال و حرام کی تمیز مٹ جاتی ہے۔مغربی تہذیب کا المیہ ہے کہ وہ اوّل و آخر فحاشی و عریانی پر مبنی ہے، جس کے باعث خاندانی نظام تباہ، اخلاقی قدریں پامال اور معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔وہاں اولاد ۱۸ سال کی عمر کو پہنچتے ہی والدین کو چھوڑ کر اپنی مرضی کی زندگی گزارنا شروع کر دیتی ہے۔والدین بڑھاپے میں بے سہارا ہو جاتے ہیں۔زوجین میں محبت کا فقدان ہے۔سویڈن جیسے مادی لحاظ سے امیر ملک میں طلاق کی شرح ۷۰% تک پہنچی ہوئی ہے۔بوڑھے افراد جوان اولاد کے والدین ہوتے ہوئے بھی قیدِ تنہائی کا شکار رہتے ہیں اور کسی سے بات کرنے کو ترستے ہیں۔خودساختہ قوانین اخلاقیات کے پابند نہیں۔ احساسِ مروّت بالکل دم توڑ چکا ہے۔مغربی معاشرے کی اس صورتِ حال سے نجات اس لیے بھی ممکن نہیں کہ یہ سب مکافاتِ عمل کے طور پر ہو رہا ہے۔یعنی والدین جو کچھ اولاد کے سامنے کرتے ہیں، جوان ہو کر وہ بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے ہیں اور یہ سلسلہ نسل در نسل جاری ہے، جس کی لپیٹ میں مشرقی اور مسلم معاشرہ بھی آ چکا ہے۔مشرقی معاشرہ فیشن کے طور پر مغربی تہذیب میں ملوث ہے۔

مغربی معاشرے کی عبرت ناک حالت کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں امن و سکون سرے سے مفقود ہو چکا ہے۔مادی دولت کے انباروں کے باوجود لوگ منشیات اور خواب آور ادویات میں سکون تلاش کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ جہاں عریانی اور فحاشی ہو گی وہاں سکون کا گزر نہیں ہو سکتا۔

☆: پروفیسر خورشید احمد نے مسز ہڈسن شا کا مذکورہ بیان ان کے مضمون 'Sex and Common Sense' کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

Marfat.com

حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی لکھتے ہیں:

''لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ سویڈن میں خودکشی کی شرح پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے اور وہاں ۷۰% عورتوں کو طلاق ہو جاتی ہے۔''(۳۰)

فحاشی کے فروغ میں ''فری میسن تنظیم'' کا کردار

نذر الحفیظ ندوی لکھتے ہیں:

''فری میسن، یہودی منصوبوں کو عالمی سطح پر بروئے کار لانے کی سب سے قدیم تنظیم ہے، جس کی پوری دنیا میں سرگرمیاں ہیں۔۔۔اس تحریک نے اپنے مقاصد کو تحریکی اور تنظیمی شکل دینے کے لیے دورِ جدید کی تحریک 'New Age movement' کے نام سے تشکیل کی ہے، جس کے اپنے رسالے اور اخبارات، کیسٹ، موسیقی رکارڈ اور ثقافتی و قانونی ادارے ہیں۔۔۔اس تحریک کا بنیادی مقصد نئے دِین کی تشکیل ہے، جس میں شیطان کی پرستش کی جائے۔اس نئے مذہب میں بے قید جنسی ملاپ، جنسی شذوذ کی دعوت، منشیات کو قانونی طور پر بھی عام کرنے، وحشت و بربریت اور جانوروں کی سی زندگی گزارنے کی دعوت، سائنسی ترقیوں اور تمام تہذیبی و اخلاقی قدروں کے خلاف جنگ کی دعوت سرفہرست ترجیحات میں سے ہیں۔''(۳۱)

ڈاکٹر حمید اللہ ''Introduction to Islam'' میں عورت کے دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"When studying the principal rights and obligations of women in Islam, it must be pointed out at the very outset that, in spite the capacity of Muslim law to adopt itself and to develop according to circumstances, there will be no question of recognizing the extreme liberty which a women enjoys today in fact and in practice, in certain sections of social life, both in the capitalistic and the communistic west. Islam demands that a woman should remain a reasonable being. It does not expect her to become either an angel or a demon."(32)

Marfat.com

ترجمہ: (اسلام میں عورت کے بڑے بڑے حقوق وفرائض کا مطالعہ کرتے ہوئے، اس بات کی نشاندہی بالکل شروع میں ہو جانی چاہیے کہ باوجود اس کے کہ اسلام میں اپنے آپ کو حالات کے مطابق چلانے اور ترقی کرنے کی گنجائش ہے۔ اُس انتہائی آزادی کو قبول کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوگا جس سے عورت آج سرمایہ دارانہ اور اشتراکی مغرب میں، سماجی زندگی کے مستقل شعبوں میں حقیقی اور عملی طور پر لطف اندوز ہوتی ہے۔ اسلام تقاضا کرتا ہے کہ عورت کو ایک معقول فرد بن کے رہنا چاہیے۔ اُس سے نہ تو یہ توقع ہو کہ وہ فرشتہ بن جائے اور نہ ہی شیطان)

انسان کی حقیقی فلاح فطرت کے مقرر کردہ دائرہ کار کے اندر رہنے میں ہے۔ تجاوز کی صورت میں بگاڑ کے امکان کو ردّ نہیں کیا جا سکتا' جس طرح مشین کا ہر پُرزہ اپنے مخصوص مقام پر ہی خاطر خواہ نتائج پیدا کرتا ہے۔ اِسی طرح سماجی زندگی میں مرد اور عورت کا اپنے اپنے دائرہ عمل کے اندر اپنے مقام پر رہنا ضروری ہے۔ جنگل جیسی آزادی انسانی معاشرے کے لیے یقیناً شدید خطرہ ہے۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی اسلامی اور مغربی تہذیب وتمدن کا تقابل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسلامی تمدن حجاب وتستر کا حامی ہے اور وہ شریعت کی دی ہوئی اِجازتوں اور استثناؤں کے اندر شدت سے اس کا پابند ہے۔ مغربی تمدن حجاب وتستر کے ابتدائی مفہوم سے بھی ناآشنا ہو چکا ہے اور اُس نے آغازِ سفر ہی میں اس کے خلاف علَم بغاوت بلند کیا، اسلامی تمدن مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کا مخالف ہے اور اس کو معاشرہ کے لیے مضر اور بہت سی خرابیوں کا موجب سمجھتا ہے، مغربی تمدن اس کو زندگی کی بنیاد اور ایک بدیہی حقیقت سمجھتا ہے۔''(۳۳)

عصرِ حاضر کا یہ المیہ ہے کہ مرد وزن کے اختلاط اور عریانی کو ترقی، اصلاح اور روشن خیالی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اِس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اخلاقی، جنسی اور تہذیبی تباہ کاری کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو معاشرے کا اصل ناسور ہے۔ خرابی اور فساد کو اصلاح کا نام دینا تو کسی طرح بھی روا نہیں ـــــ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''انسانی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ اِنسان کو تعلیم دی جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ اُسے ہیٹ پہنا دیا جائے۔ ہیٹ پہننے یا ریش کی صفائی سے دماغی اصلاح نہیں ہو جاتی۔ اسی طرح مستورات کی اصلاح کے لیے تعلیم وتربیت ضروری ہے۔ بالوں کو

Marfat.com

قطع کرنا یا لباس تبدیل کرنا ضروری بلکہ مفید نہیں لیکن ہمارے نئے رہبروں نے حُسنِ تناسب کا خیال نہیں رکھا۔''(۳۴)

مغربی نظریۂ تعلیم میں مادیت' عریانیت' جنسیت اور رقص واختلاط نمایاں موضوعات ہیں جو نصابِ تعلیم میں شامل ہیں۔ مسئلہ صرف یہ نہیں کہ مسلمان مغربی لباس کو پسند کرنے لگے ہیں بلکہ تشویش اس بات کی ہے کہ مغربی معاشرے کی منفی اور غیر اخلاقی قدروں پر فخر کیا جارہا ہے۔

رقص وسرود

رقص وسرود یعنی ناچ گانا بھی عصرِ حاضر کی تہذیب وثقافت کے اہم خدوخال میں سے ہے۔ لوگوں کی خاصی تعداد باقاعدہ اِس فن سے وابستہ ہے۔ معاشرے میں اِسے قبولِ عام کا درجہ حاصل ہے اور رقص وسرود فنونِ لطیفہ (Fine Arts) میں اہم مقام رکھتا ہے۔

موسیقی سُر یا ترنم سے عبارت ہے جس کے نتیجے میں سرود یا نغمہ بنتا ہے۔ سُر بذاتِ خود قابل مذمت نہیں کیونکہ یہ فطرتاً ہر چیز میں پائی جاتی ہے۔ اِس کا سب سے زیادہ اور مؤثر اظہار انسان کے حوالے سے ہوتا ہے۔ سُر کے اِستعمال کے فرق سے موسیقی کی حلت وحرمت کا تعین ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی موسیقی جو اخلاقی اور روحانی لحاظ سے منفی اثرات مرتب کرے' ناجائز اور حرام قرار پاتی ہے۔ اس کا انحصار نغمے کے مضمون اور صنفِ مخالف کے لیے کشش پر بھی ہوسکتا ہے۔ گویا ایسے گانے جو مخلوط مجالس موسیقی میں گائے جائیں اور مرد اور عورتیں باہم یوں آواز کا جادو جگائیں کہ ایک دوسرے کے شہوانی جذبات بھڑک جائیں اور اخلاقی حدود سے تجاوز ہونے لگے، قابلِ مذمت قرار پاتے ہیں۔

تہذب حاضر میں موسیقی کا تصور مغربی معاشرے کی پیداوار ہے جہاں اخلاقی حدود وقیود کی پابندی کو ''جدید ترقی'' کی راہ میں روکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ مشرق اور خاص طور پر مسلم معاشرے پر مغرب کی ثقافتی یلغار میں مغربی موسیقی کا بھی بڑا دخل ہے اور وہ اِس کے اثرات کی زد میں ہے۔

مفتی محمد شفیع اپنی تصنیف ''اِسلام اور موسیقی'' میں رقم طراز ہیں کہ :

> ''واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی ''گناہ کدہ'' موسیقی سے خالی نہیں ہوتا، کیونکہ موسیقی ان تمام کے اندر روح کا کام کرتی ہے اور شہوت کے اُبھارنے کا زبردست ذریعہ بنتی ہے، موجود دَور کے اندر تو موسیقی تفریحات کا لازمہ بن کر رہ گئی ہے اور معاشرے میں شہوانیت' عریانیت اور بے حیائی پھیلانے میں اس نے زبردست کردار ادا کیا ہے۔ ہمارے موجودہ دَور میں موسیقی معاشرے کے بگاڑ میں جتنا حصہ لے رہی ہے

Marfat.com

اتنی کوئی اور چیز نہیں۔"(۳۵)

مردوں اور عورتوں کے لیے ایک دوسرے کی آواز میں کشش فطری بات ہے، خاص طور پر جب کہ اس میں ترنم بھی ہو۔ اس کے لیے حد بندی ضروری ہے ورنہ خرابی اور بے راہ روی کا قوی احتمال ہے۔ اسلامی نکتۂ نظر سے یہ رجحان تشویشناک ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اِس سلسلے میں حضرت انجشہ سے فرمایا تھا:

"رُوَیْدًا یَا اَنْجَشَۃُ لَا تُکْسِرِ الْقَوَارِیْرَ"(۳۶)

ترجمہ: (اے براء! ان آبگینوں کا خیال رکھو یہ تمہاری آواز نہ سن پائیں)

موسیقی اور آلاتِ موسیقی کا استعمال قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ عام طور پر موسیقی سے سفلی جذبات بھڑکانے کا کام لیا جاتا رہا۔ اس کی پیدا کردہ بے راہ روی نے قوموں کو تباہی اور زوال سے دوچار کیا۔

'قاموس الکتاب' میں ہے:

"یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی پڑوسی قومیں بت پرست تھیں۔ باروری کی رسوم (Fertility Rites) ان میں بہت عام تھیں۔ ان نفرتی رسوم میں گانے والی عورتیں اور ساز بجانے والے لوگوں کو جنسی رنگ رلیوں پر مائل کرتے تھے اور پھر پجاری دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے مندر کی عورتوں سے حرام کاری کرتے تھے۔۔۔ اسی لیے پہلے پہل بعض ساز مثلاً بانسلی اور عورتوں کا گانا ہیکل میں ممنوع تھا۔"(۳۷)

موسیقی کا یہ انتہائی مذموم پہلو ہے کہ اس کے ذریعے برائی، بے حیائی اور حرام کاری کو ہوا ملے۔ علامہ زبیدی 'اتحاف السادۃ المتقین' میں بیان کرتے ہیں کہ:

"وقال صاحب الامتاع وذهبت طائفة الى التفرقة بين الرجال والنساء فجزموا بتحريمه من النساء الاجانب وأجروا الخلاف فى غيرهن قال القاضى ابوالطيب الطبرى اذاكان المغنى امرأة ليس بمحرم له فلا يجوز بحال سواء كانت حرة او مملوكة قاله الاصحاب وسواء كانت مكشوفة اومن وراء حجاب وقال القاضى حسين فى تعليقه اذكان المغنى امرأة فلاخلاف انه يحرم سماع صوتها وقال ابو عبدالله السامرى الحنبلى فى كتابه المستوعب الغناء اذا قلنا به فذاك اذا كان فمن لا يحرم صوتها كزوجة اوامته فاما من يحرم فلا يجوز قولا

Marfat.com

واحدًا وقال القرطبی جمهور من اباحه حکموا بتحریمه من الاجن بیات للرجال"(۳۸)

ترجمہ: (صاحب الامتاع (علامہ ابوالفضل جعفر بن ثعلب شافعی) کہتے ہیں کہ ایک جماعت نے مرد اور عورت کے گانے کے درمیان فرق کیا ہے، اور اجنبی عورت سے گانا سننے کی حرمت پر جزم کیا ہے اور محارم سے گانا سننے میں اختلافِ رائے کا اظہار کیا ہے۔ قاضی ابوالطیب طبری کہتے ہیں کہ جب مغنی نامحرم عورت ہو تو اس سے گانا سننا کسی صورت میں بھی جائز نہیں چاہے عورت آزاد ہو یا مملوکہ پردے میں ہو یا بے پردہ۔ قاضی حسین اپنی ''تعلیق'' میں کہتے ہیں کہ جب مغنی عورت ہو تو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا گانا سننا حرام ہے۔ ابوعبداللہ سامری حنبلی اپنی کتاب ''مستوعب'' میں لکھتے ہیں' غناء کے بارے میں یہ جو ہم نے کہا ہے، یہ اس وقت ہے، جب کہ کسی ایسے سے گانا نہ سُنا جائے جس کی آواز سننا حرام ہے، جیسے بیوی یا باندی۔ جہاں تک اجنبی اور نامحرم عورت کا سوال ہے تو اس سے گانا سننا کسی ایک قول کے مطابق بھی جائز نہیں۔ امام قرطبی مالکی کہتے ہیں کہ جمہور قائلین اباحت مردوں کے لیے اجنبی عورتوں سے گانا سننا حرام ہی قرار دیتے ہیں)

علامہ زبیدی نے علامہ قرطبی کے حوالے سے یہ وضاحت بھی فراہم کی ہے کہ خوبصورت امرد (بے ریش) لڑکوں سے گانا سننا بھی حرام ہے کہ یہ زیادہ بڑی اور مذموم برائی کا باعث ہوسکتا ہے۔ اس کی حرمت مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے یکساں ہے۔

جہاں تک موسیقی کے حق میں استدلال کا تعلق ہے تو کچھ علماء نے اس سلسلے میں بھی مؤثر بحث کی ہے۔ مثال کے طور پر مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی نے قرآنِ حکیم کی سورہ نمبر ۳۷ کی آیت نمبر ۶، سورہ نمبر ۶۷ کی آیت نمبر ۵ اور ۴۱، سورہ نمبر ۱۵ کی آیت نمبر ۱۶، سورۃ نمبر ۵۰ کی آیت نمبر ۶، دسویں سورت کی آیت نمبر ۶۴، اٹھارہویں سورت کی آیت نمبر ۷، ساتویں سورت کی آیت نمبر ۳۱ اور ۳۲ کے حوالوں سے حسن و جمال کو تقاضائے فطرت کے طور پر ثابت کیا ہے، جس میں حسنِ صوت بھی داخل ہے۔ مزید برآں انہوں نے درج ذیل آیات سے استدلال کرتے ہوئے موسیقی اور حسنِ صوت کا جواز بھی ثابت کیا ہے۔

"فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ"(۳۹)

Marfat.com

"اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ"(۴۰)

"تحبرون" اور" یحبرون" "الحبرة" سے ہے جس سے مراد ہے تمہیں ان کو مسرور اور محظوظ کیا جائے گا۔

سرور اور حظ کے مفہوم میں وسعت پائی جاتی ہے اور اس سے سماع اور موسیقی سے لطف اندوز ہونا بھی مراد لیا جاتا ہے۔

تاج العروس میں "الحبرة" سے جنت کا نغمہ مراد لیا گیا ہے۔(۴۱)

مصباح اللغات میں ہر عمدہ راگ اور خوشی کے معنی میں مراد لیا گیا ہے۔(۴۲)

شاہ محمد جعفر پھلواروی نے بھی اپنی تصنیف ''اسلام اور موسیقی'' میں موسیقی کے مختلف پہلوؤں پر مفصل اور مدلل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ موسیقی فی نفسہٖ ناجائز نہیں۔ انہوں نے اکابر فقہائے اُمت اور مفکرین کی آراء کی روشنی میں بہت سی اُلجھنوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے ـــــ وہ موسیقی کی حلت وحرمت کے بارے میں اصولی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''غرض موسیقی یا دوسرے فنونِ لطیفہ کی نہ حِلّت مطلقاً حلت ہے' اور نہ حرمت علی الاطلاق حرمت۔ یہ اضافی چیزیں ہیں اور موقع ومحل کی مناسبت سے ہی اسے حلال و حرام کہا جاسکتا ہے۔''(۴۳)

رفعِ شر ہی کے پیشِ نظر مرد وزن کا آزادانہ اختلاط حرام وممنوع ٹھہرتا ہے۔ موسیقی کی حرمت میں بھی یہی نکتہ کارفرما ہے۔ اس کا مضرت رساں اور اخلاقی بے راہروی پر مبنی پہلو عصرِ حاضر کی تہذیب کا لازمی جزو بن چکا ہے۔ اصلاحِ احوال کے لیے اِس کی شعوری اور لاشعوری تباہ کاریوں کا تجزیہ بہت ضروری ہے۔

موسیقی کے ساتھ ساتھ رقص بھی معاشرے میں بہت مرغوب ہو چکا ہے۔ گانے بجانے کی طرح رقص کے لیے بھی تربیت گاہیں قائم ہیں۔ جہاں فلمی اداکاراؤں اور اداکاروں کو رقص سکھایا جاتا ہے، جو فلم، سٹیج اور ٹیلی وژن کی سکرین پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور عوام الناس اس سے محظوظ ہوتے ہیں۔

مغربی موسیقی کی طرح معاشرے پر رقص کے اثرات بھی بہت تباہ کُن ہیں۔ کیونکہ اس میں رقصِ بدن، جسم کے ہر عضو کی نمائش کا دوسرا نام ہے جس کے ذریعے دوسروں کو اپنی طرف مائل کیا جاتا ہے اور ان کے سفلی جذبات کو اُبھارا جاتا ہے۔ اس رجحان کے شکار افرادِ معاشرہ، وقار، شجاعت اور حمیت

Marfat.com

کے اوصاف سے عاری ہو جاتے ہیں، مادیت روحانیت پر غالب آ جاتی ہے۔ رقص بدن مسلمان کی غیرتِ ایمانی کے منافی ہے۔

اگر چہ رقص و سرود کا رجحان مردوں کے حوالے سے بھی کچھ کم مضر نہیں کہ اس سے مردانگی اور شجاعت کا جوہر متاثر ہوتا ہے۔ تاہم عورتوں کے حوالے سے معاشرے پر اس کے تباہ کن اثرات اور بھی زیادہ ہیں، جو سب پر عیاں ہیں۔ چنانچہ اسلامی نکتہ نظر سے عورتوں کا رقص و سرود وغیرہ کو بطور پیشہ اختیار کرنا انتہائی مذموم قرار پاتا ہے اور اسلامی ریاست پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس خطرناک رجحان کے سدِ باب کے لیے تدابیر اختیار کی جائیں۔ اثرِ حاضر میں جب کہ ناچ گانا خطرناک حد تک جڑ پکڑ چکا ہے، اس کی بیخ کنی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان کی تاریخ سے بھی ایسی مثال ملتی ہے، جب NWFP اسمبلی نے دو جولائی ۱۹۷۴ء کو جب کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت تھی، عورتوں کے رقص اور گانے بجانے پر پابندی کا بل پاس کیا تھا جس کی رو سے تمام 'Public Places' پر خواتین کے رقص و سرود کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ حال ہی میں سرحد اسمبلی میں ہی اسی طرح کا ایک اور بل پیش کیا گیا ہے، جس میں از سرِ نو رقص پر پابندی تجویز کی گئی ہے اور اس سے پیدہ شدہ مختلف برائیوں کے پیشِ نظر خلاف ورزی کرنے والی عورتوں کے لیے پہلے سے زیادہ سزا☆ تجویز کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسے نا قابلِ ضمانت قرار دیا جائے۔

"Under the existing Law, dancing is a Bailable offence, whereas the proposed Law makes it none Bailable."(44)

الغرض رقص و موسیقی کا جدید رجحان مجموعی طور پر قوموں کی تباہی کا باعث ہے، جس سے وہ اپنے اصل تشخص سے محروم ہو کر زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔

☆: مجوزہ سزا پانچ سال قید اور پانچ ہزار روپے جرمانہ۔

Marfat.com

عصری تہذیب اور فکری انحطاط

کسی قوم کی تہذیب اور طرزِ معاشرت اس کے فکری رجحانات کی عکاس رہی ہے۔ اس لیے مختلف نظام ہائے اخلاق و مذاہب میں بنیادی طور پر انسان کے فکری زاویوں کی اصلاح پر زور دیا گیا اور قانونِ فطرت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی۔ تہذیبوں کے عروج و زوال میں بنیادی کردار انسان کے اندازہائے فکر نے ہی ادا کیا ہے ـــــ عصرِ حاضر اور عصری تہذیب و تمدن کا تجزیہ کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ انسانی سوچ مجموعی طور پر مسلّمہ آفاقی حقائق اور فطری تقاضوں سے متصادم ہے۔ محض ذاتی اور عارضی فائدے اور تسکین کی خاطر معاشرے میں ایسے نظریات کا پرچار کیا جاتا ہے جو انسانیت کے حوالے سے درست نہیں ہوتے، مگر وہ مادی اور سیاسی اثر و رسوخ کی کارفرمائی کے باعث معاشرے میں قبول عام حاصل کر جاتے ہیں اور معاشرے میں عجیب و غریب قسم کے رسم و رواج ثقافت کے نام پر رائج ہو جاتے ہیں۔

بہبودِ آبادی کا جدید تصور

معاشرے کی فلاح و بہتری کے لیے انسانی آبادی کی فلاح و بہبود ضروری ہے۔ دنیا کے ہر مذہب اور نظامِ اخلاق میں اِس کی حمایت کی گئی ہے کیونکہ ذہنی و جسمانی طور پر صحت مند اور متوازن افراد ہی خوش حال معاشرے کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ گویا بہبود آبادی سے مراد انسانی آبادی کو بنیادی ضروریات کی مناسب فراہمی ہے، جس کی ذمے داری افراد اور ریاست دونوں پر عائد ہوتی ہے اور اس کے لیے مختلف ذرائع بروئے کار لائے جا سکتے ہیں۔

Marfat.com

لیکن مغرب نے بہبود آبادی کا یہ تصور پیش کیا کہ خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے آبادی پر قابو پایا جائے تاکہ افراد کم ہوں اور ان کو زیادہ بہتر سہولیات فراہم ہو سکیں' اس مقصد کے لیے ''Family Planning'' کو باقاعدہ مہم اور تحریک کے طور پر متعارف کرایا گیا۔ مغرب کے ترقی یافتہ معاشرے کی طرف سے پیش کردہ اس تصور کو غریب اور مشرقی ممالک میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی یہاں تک کہ یہ لوگوں کی روزمرہ زندگی کا حصہ بن گیا اور ذرائع ابلاغ نے اِس مہم کی تشہیر اِس انداز سے کی' جیسا کہ کسی قوم کے تہذیب و تشخص کا پرچار کیا جاتا ہے۔

۱۹۶۰ء میں 'Paul Arch' نامی مصنف نے ''آبادی کا بم'' کے عنوان سے کتاب لکھی جس میں اُس نے خبردار کیا کہ اِنسانی آبادی کا بم دُنیا کو تباہ و برباد کر رہا ہے' جس پر ہم قابو نہیں پا رہے۔ اس کے لیے کچھ بھی کر گزرنا چاہیے۔

۱۹۷۴ء میں امریکی اعلیٰ حکام پر مشتمل کمیٹی نے دُنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کی جو امریکہ کی قومی سلامتی کے امور سے متعلق تھی۔ اس رپورٹ میں خبردار کیا گیا کہ بھارت' پاکستان' بنگلہ دیش' مصر' ترکی' انڈونیشیا' نائیجیریا' میکسیکو' برازیل' فلپائن' تھائی لینڈ' ایتھوپیا اور کولمبیا پر مشتمل 13 ممالک امریکی مفادات کے لیے خطرہ ہیں۔ ان پر ہر طرح کا دباؤ ڈالنا ضروری ہے تاکہ وہ آبادی کم کریں۔

۱۹۷۹ء میں عالمی بنک کے اُس وقت کے صدر نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ آبادی کو بڑھنے سے روکنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ غیر معمولی سرعت سے شرحِ پیدائش کو روکا جائے اور دوسرا موت کے تناسب میں اضافہ کر دیا جائے۔

۱۹۸۴ء میں ایک امریکی مصنف جارج اورویل نے اپنی ایک کتاب میں ایک ایسی دنیا کا تخیل پیش کیا تھا جہاں بچوں کی پیدائش پر حکومت کو مکمل کنٹرول حاصل ہو۔ اس کام کے لیے مخصوص خواتین اور مرد ہوں گے اور جبری طور پر بانجھ پن پیدا کیا جائے گا۔

''مغربی میڈیا اور اس کے اثرات'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

''اس تخیل سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آئندہ جو نیا عالمی نظام ہمارے سروں پر مسلط ہونے والا ہے۔ اس کی کیا نوعیت ہو گی، جیسا کہ چین، سری لنکا اور تھائی لینڈ میں عملاً اس تخیل کو اِس طرح بروئے کار لایا گیا ہے کہ ۲۸% چینی خواتین' ۲۵% سری لنکا اور ۲۲% تھائی لینڈ کی شادی شدہ خواتین کو ہمیشہ کے لیے انجکشن

Marfat.com

دے کر بانجھ بنادیا گیا ہے۔''(۴۵)

۱۹۹۳ء میں سابق امریکی صدر ''Bill Clinton'' نے ''یو این او'' میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دُنیا کے باشندوں کو ہم اُسی وقت صحت منداور خوشحال دیکھ سکتے ہیں' جب بڑھتی ہوئی آبادی کو کنٹرول کیا جائے۔ ہم آئندہ نصف صدی کے اندر بڑھتی ہوئی آبادی کو برداشت نہیں کر سکتے۔

۱۹۹۴ء میں قاہرہ (مصر) میں آبادی کے موضوع پر منعقدہ کانفرنس میں پیش کردہ رپورٹ میں بڑھتی ہوئی آبادی پر تشویش کا اظہار کیا گیا اور کہا گیا کہ تمام ملک ۲۰۱۵ء تک ایڈز سے بچاؤ اور آبادی کو کم کرنے کے لیے مانع حمل اشیاء کا استعمال لازم کریں اور شادی شدہ اور غیر شادی شدہ فرد کو مانع حمل اشیاء فراہم کی جائیں اور محفوظ آزادانہ جنسی تعلقات کے مواقع مہیا کیے جائیں☆۔

مغرب کے اس بہبود آبادی کے تصور کو ہمارے معاشرے میں ایک کلچر کی صورت میں اپنایا گیا ہے۔ حالانکہ اس کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ بہبود آبادی صرف ''Population Planning'' کا نام نہیں۔ اِس کے لیے تمام قدرتی وسائل کو بروئے کار لانا اور افرادی قوت میں اضافہ کرنا بھی ضروری ہے۔ پھر یہ کہ بہبود آبادی کے نام پر جو اِقدامات تجویز کیے گئے ہیں وہ انسان دشمن ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاق وحیا سوز بھی ہیں۔ نیز جن ممالک کی آبادی کو امریکی مفادات کے لیے خطرہ قرار دیا گیا ہے وہ زیادہ تر اسلامی ممالک ہیں۔ گویا اصل مقصد بہبودِ آبادی نہیں بلکہ ایک ایسے اخلاق باختہ کلچر کو مشرقی معاشرے میں رواج دینا مقصود ہے جو مغربی معاشرے کے مخصوص مفادات کا دفاع کر سکے۔ چنانچہ بلاسوچے سمجھے بہبودِ آبادی کے موجودہ تصور پر عمل کرنے سے اپنے آپ کو افرادی اور اخلاقی طور پر ناکارہ کرنے کے مترادف ہے۔

بہبودِ آبادی کے حوالے سے خاندانی منصوبہ بندی کا تصور سب سے پہلے ایک مغربی ماہرِ اقتصادیات تھامس مالتھس نے پیش کیا تھا، جس نے آگے جا کر موجودہ خطرناک صورتِ اختیار کر لی۔ سیّد مودودی لکھتے ہیں کہ:

''اٹھارھویں صدی کے آخر میں جب انگریز ماہر معاشیات (Malthus) نے آبادی کی روز افزوں ترقی کو روکنے کے لیے ضبطِ ولادت کی تجویز پیش کی تھی، اُس وقت اُس کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ اُس کی یہی تجویز ایک صدی بعد زنا اور فواحش کی اشاعت میں سب سے بڑھ کر مددگار ثابت ہوگی۔ اُس نے تو آبادی

☆ درج بالا معلومات ''مغربی میڈیا اور اُس کے اثرات'' سے لی گئی ہیں۔

Marfat.com

کی افزائش کو روکنے کے لیے ضبطِ نفس اور بڑی عمر میں نکاح کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر انیسویں صدی کے آخر میں جب "Neo-Malthusian Movement" اُٹھی تو اُس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ نفس کی خواہش کو آزادی کے ساتھ پورا کیا جائے اور اس کے فطری نتیجہ، یعنی اولاد کی پیدائش کو سائنٹفک ذرائع سے روک دیا جائے۔

> اس چیز نے بدکاری کے راستے سے وہ آخری روکاوٹ بھی دُور کر دی جو آزاد صنفی تعلقات رکھنے میں مانع ہو سکتی تھی۔"(۴۶)

یہودی ماہرِ معاشیات مالتھس نے ایک نظریہ پیش کیا کہ خوراک کے ذخائر جمع کے اصول کے مطابق بڑھتے ہیں اور آبادی کی شرح ضرب کے اصول کے مطابق۔ اس نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خوراک کے وسائل بڑھانے کی بجائے آبادی کو کم کر دیا جائے۔

یہ نظریہ حقیقت پر مبنی نہیں، یعنی ضرب کے اصول پر آبادی میں اضافے کی کوئی منطقی دلیل موجود نہیں۔

بہبود آبادی کی آڑ میں فیملی پلاننگ کا جدید تصور خالص مغربی فکر کا نتیجہ ہے جسے مشرقی اور خاص طور پر اسلامی معاشرے میں رائج کرنے کا خاص مقصد ہے۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ مغرب (امریکہ و یورپ) میں اسلامی ملکوں کی نسبت شرح بارآوری مختلف عوامل کی بناء پر بہت کم ہے، جس سے مغرب میں عددی و افرادی قوت کے فقدان کا احساس شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

''عالمِ اسلام کے خلاف سب سے بڑی صلیبی جنگ ـــــ خاندانی منصوبہ بندی'' کے مؤلفین نے لکھا ہے کہ:

> ''گورے صلیبیوں میں (امریکہ و یورپ) شرحِ بارآوری اوسطاً ۱.۷ جبکہ مسلم دنیا میں ۶.۵ ہے۔۔۔ تیزی سے گرتی ہوئی شرحِ پیدائش پر قابو پانے کے لیے صلیبی دنیا نے بڑے اِقدام کیے مثلاً حرام کی اولاد کو قانونی تحفظ دے کر حرامی بچے پیدا کرنے والی ماؤں کو سہولتیں دی گئیں، بغیر شادی و نکاح کے ازدواجی تعلقات کو تسلیم کیا گیا۔۔۔ ۱۹۸۴ء میں یورپی پارلیمنٹ نے ایک قرارداد پاس کی جس میں تمام ممبر ممالک سے کہا گیا کہ وہ ایسے اقدام کریں جس سے شرحِ پیدائش میں اضافہ ہو سکے۔ قرارداد میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ ۱۹۵۰ء میں یورپی گورے پوری دنیا میں ۸.۸ فیصد تھے، شرح پیدائش میں کمی کے باعث ۲۰۲۵ء میں صرف ۲ فیصد رہ جائیں

Marfat.com

گے۔ اس سے عالمی سطح پر یورپ کا اثر ورسوخ کم ہو جائے گا۔۔۔ ۱۹۸۸ء میں امریکی ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کی ایک مطالعاتی رپورٹ میں آبادی کے اضافے میں تناسب کے فرق پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا کہ دنیا کی آبادی میں آنے والی تبدیلیوں سے فوجی طاقت کا عالمی توازن اگلی دو دہائیوں میں بدل سکتا ہے۔ رپورٹ میں امریکہ کے پالیسی میکرز سے کہا گیا کہ وہ اِس طرف بھرپور توجہ دیں۔۔۔ اِسلام چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کے مدِّ مقابل کھڑا ہے اور قوموں کو متحد کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اس لیے مغرب کو زیادہ پریشانی مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی سے ہے۔''(۴۷)

مغربی مفکرین نے مسلمانوں کی آبادی کو مغرب کے لیے خطرہ قرار دیتے ہوئے اپنے اربابِ اختیار کی توجہ اِس طرف مبذول کرائی اور ترقی پذیر ملکوں میں آبادی کے سدِّ باب کے لیے مختلف تدابیر تجویز کیں۔ امریکی مفکر بنجمن فرینکلن نے ۱۷۵۱ء میں اس بات کی نشاندہی کی تھی کہ سفید فام لوگوں کا پوری دنیا میں تناسب بہت کم ہے۔ برطانوی فلاسفر برٹرینڈ رسل نے اپنی کتاب ''میرج اینڈ مارلز'' میں لکھا تھا کہ مغربی یورپ میں شرحِ پیدائش تیزی سے گر رہی ہے اور دنیا کی سفید آبادی جلد نیست و نابود ہو جائے گی۔

''نارتھ کیرولینا سنٹر برائے تحقیق آبادی اور تحفظ'' کے ڈاکٹر سٹیفن ڈی مفرڈ نے ۱۹۷۷ء میں اپنی کتاب ''پاپولیشن گروتھ کنٹرول میں لکھا کہ دنیا کی آبادی کی تحدید کے لیے غیر معمولی اقدامات کی ضرورت ہے۔۔۔ غیر سفید فام قوموں کی آبادی کم کرنے کے لیے انہوں نے ''فیملی پلاننگ'' کا طریقہ ڈھونڈا۔۔۔ سب سے پہلے اِس پروگرام کو امریکی سی آئی اے کے حوالے کیا گیا جس نے شروع میں جاپان کو اپنا ٹارگٹ بنایا۔۔۔ اسقاطِ حمل اور بانجھ بنانے کا عمل شروع ہو گیا۔۔۔ فیملی پلاننگ کے کام کی مؤثر منصوبہ بندی کے لیے ایشیاء فاؤنڈیشن اور دیگر تنظیموں نے بڑے اہم کام کیے مثلاً مشاہداتی و مطالعاتی دورے، ریسرچ، انٹرویوز، سروے وغیرہ کرائے گئے اور حاصل شدہ معلومات کو پروپیگنڈا کو مؤثر بنانے کے لیے استعمال کیا گیا۔

امریکہ کی نیشنل سکیورٹی کونسل کی دستاویزات کے مطابق ہنری کسنجر نے ۱۹۷۴ء میں کہا تھا کہ ''تیسری دنیا کی آبادی میں اضافہ امریکہ کی قومی سلامتی کے لیے سٹریٹیجک

Marfat.com

خطرہ ہے۔'' ۱۳ ممالک جنہیں اُس نے سب سے زیادہ خطرناک قرار دیا اُن میں بنگلہ دیش، پاکستان، انڈونیشیا، مصر، ترکی اور نائیجیریا شامل ہیں۔۔۔ انڈونیشیا میں بھی جاپان کی طرح ''برتھ کنٹرول'' کو بزورِ قوت نافذ کیا گیا۔

انڈونیشیا کے فوجی خواتین کو بندوق کی نوک پر نظر بندی کیمپوں میں لے جاتے اور انہیں اس وقت تک وہاں رکھا جاتا جب تک وہ فیملی پلاننگ پر عمل کرنے کی ٹھوس ضمانت نہ دے دیتیں یا نس بندی نہ کروالیتیں۔ انڈونیشی جریدے ''انڈونیشیا ٹوڈے'' کے مطابق گن پوائنٹ پر IUD رکھی گئی، تعلیمی اداروں میں جوان لڑکیوں کو طویل عرصہ والے ٹیکے لگائے گئے۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے پاپولیشن ڈیپارٹمنٹ نے ٹارگٹ ممالک کے ایلیٹ طلبہ کی برین واشنگ کا کام سنبھالا۔ امریکی دفاعی ادارے پینٹاگون نے ''قرآن ریسرچ'' کے لیے باقاعدہ ملازم رکھا تاکہ اسقاطِ حمل اور مانع حمل طریقوں کے بارے میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے قرآنی آیات کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کیا جاسکے۔''(۴۸)

اسلامی تعلیمات کی رو سے نظامِ کائنات میں ایک قدرتی منصوبہ بندی پائی جاتی ہے۔ نسلِ انسانی کی افزائش کے حوالے سے اگر ضروری احتیاطوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے مدت رضاعت پوری کی جائے تو اولاد کی پیدائش میں ازخود وقفہ آجاتا ہے۔ تاہم بیماری یا کسی بھی ناگزیر صورت میں 'فیملی پلاننگ' کا جواز بھی ہے۔ لیکن کسی جبر اور سازش کے تحت ایسا کرنا جہاں قوموں کی افرادی قوت کو کمزور کرنے کے مترادف ہے، وہاں اس سے اِنسانی معاشرہ مضرِ صحت ادویات کے استعمال اور قحط الرجال کے باعث فکری طور پر بھی انحطاط پذیر ہوتا ہے۔

منشیات کا استعمال

بڑے بڑے اخلاقی جرائم میں سے مے نوشی اور جوئے بازی انتہائی سنگین نوعیت کی برائیاں ہیں جن کے عادی افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی معاشرے کے لیے ناسور بن جاتی ہے۔ لیکن ان کے تباہ کن اثرات کے باوجود یہ دونوں جرائم اُسی طرح سے عصرِ حاضر کی تہذیب کا حصہ بن چکے ہیں' جس طرح ان کا رواج زمانۂ جاہلیت میں تھا۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی تحریر کرتے ہیں کہ:

''مے نوشی اور جرائم کا تعلق آج ماہرین فن کے فراہم کردہ اعداد سے ایک ثابت شدہ

Marfat.com

حقیقت ہے اور جوئے کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر اکابر کا اپنی دولت، سلطنت، عزت و ناموس تک گنوا بیٹھنا ہندوستان کے قدیم ترین قصہ مہابھارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ جاہلیت عرب کے مہذب باشندے اِن دونوں بلاؤں میں بری طرح مبتلا تھے۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے آج جاہلیتِ فرنگ کی مہذب آبادی پر بھی دونوں بلائیں بُری طرح مسلط ہیں۔''(۴۹)

مولانا نذر الحفیظ ندوی بیان کرتے ہیں:

''۱۹۴۳ء میں البرٹ ہوف مین نے L.S.D نامی گولی ایجاد کی تھی جو اِنسانی مزاج اور عقل و اعصاب پر اثر انداز ہوتی ہے۔۔۔ ۱۹۵۵ء میں ایک یہودی کمپنی رانڈا نے امریکی سی۔آئی۔اے کی درخواست پر انسانی اعصاب اور عقل پر نشہ آور اشیاء کے اثرات کا تجربہ کیا تھا۔۔۔ ۱۹۶۷ء میں بڑے پیمانے پر پُرشور موسیقی۔۔۔ اور منشیات کا استعمال شروع ہوا ایسے ریکارڈ اور البم بازاروں میں لائے گئے جن میں شیطان کو مقدس سمجھنے کی دعوت و ترغیب دی گئی تھی۔''(۵۰)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے مغربی تہذیب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

''شراب تہذیب مغرب کا جزوِ اعظم ہے۔ یورپ اپنی بعض خوبیوں کی وجہ سے زندہ تھا۔ اب یہ خوبیاں کم ہو رہی ہیں۔ اگر یورپ نے سنبھالا نہ لیا تو۔۔۔ اس کی شان و شوکت کا جنازہ نکل جائے گا۔''(۵۱)

مغربی میڈیا اور اس کے اثرات'' نامی کتاب میں ہندوستان کے شہر دہلی میں سال ۱۹۹۶ء کے دوران شراب نوشی کے اثرات کے بارے میں سرکاری اعداد و شمار کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ ۳۵% تا ۷۰% قیدی شراب کی وجہ سے سزا کاٹ رہے ہیں۔ جنسی جرائم کے ۶۰% واقعات شراب کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ چوری کے ۵۰% واقعات شراب کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ طلاق کے ۸۰% واقعات شراب کے باعث ہوئے اور سڑک پر ۹۰% حادثات شراب پی کر گاڑی چلانے سے پیش آئے۔

مغربی معاشرے نے منشیات کا کلچر مشرق میں بھی پھیلا دیا ہے۔ یہاں تک کہ اِسلامی معاشرہ بھی اِس برائی کی زد سے محفوظ نہیں۔۔۔ شیخ احمد بن حجر لکھتے ہیں:

''عالمِ اسلام میں بھی شراب نوشی اور نشہ آور چیزوں کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ وباء تمام تر یورپین قوموں اور مشرقی ملکوں کے دہریوں سے ان کے اِختلاط کا نتیجہ

Marfat.com

ہے۔مزید افسوس یہ کہ نام نہاد مسلم حکام بھی انہیں شہ دیتے ہیں۔ یہ حکام بندگانِ خدا پر خدا کے احکام نافذ نہیں کرتے۔۔۔اس کے بجائے مغربی ملکوں کے دستور کی تائید کرتے ہیں جن سے نشہ آور چیزوں کے استعمال کی ہی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔''(۵۲)

منشیات ذہنی اور جسمانی دونوں پہلوؤں سے مضر ہیں۔نشہ آور اشیاء کا استعمال انسان کو ذہنی طور پر اپاہج بنا دیتا ہے جس کے باعث وہ حلال وحرام کی تمیز کھو دیتا ہے اور اس کا وجود معاشرے میں اخلاق سوزی کی علامت بن جاتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اُس کے پیدا کردہ معاشی مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔چنانچہ اِسلام منشیات کا استعمال قطعاً حرام قرار دیتا ہے۔قرآنِ حکیم میں لفظ 'خمر' لا کر منشیات کی تمام جملہ اقسام اس کے مفہوم میں داخل کر دی گئی ہیں اور ان کی حرمت کا فیصلہ کُن حکم صادر کیا گیا ہے۔

''یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ''(۵۳)

ڈاکٹر ملک غلام مرتضےٰ مذکورہ آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

''یہ شراب' جواء اور یہ پانسے وغیرہ سب کام اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام قرار دے دیے بلکہ حرام سے زیادہ سخت لفظ استعمال کیا کہ یہ ''گندگی'' ہے۔گندگی کو حرام کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔اِسی بات کو مدِ نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے کہ بعض دفعہ لوگ پوچھتے ہیں کہ شراب کے لیے تو حرام کا لفظ استعمال نہیں ہوا لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ حرام سے بھی زیادہ سخت لفظ استعمال ہوا ہے۔''(۵۴)

شیطان کی اِنسان دشمنی مسلم ہے۔الہامی تعلیمات میں بار بار اس طرف توجہ دِلائی گئی ہے اور ابلیسی حربوں اور ہتھکنڈوں سے بچ کر رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔شراب اور جواء وغیرہ اصل میں شیطانی تحریک کا نتیجہ ہیں جو معاشرے میں وسیع تر خرابی کا باعث بن جاتے ہیں۔چنانچہ سورۃ المائدہ میں شیطان کی اِس انسان دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

''اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ''(۵۵)

ترجمہ: (شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔تو تمہیں اِن کاموں سے باز رہنا چاہیے)

Marfat.com

عبدالعزیز بن صالح العبید لکھتے ہیں:

''اُس (شیطان) کی تزئین میں سے یہ بھی ہے کہ اہل بدعت کے لیے اُن کی بدعات کو آراستہ کر کے دکھاتا ہے۔۔۔اور گنہگاروں کے لیے اُن کی معصیتوں کو آزادی کے نام کے ساتھ آراستہ کر دکھاتا ہے۔ سو اِسی وجہ سے انہوں نے ''اُم الخبائث'' کو روح کا مشروب اور عشق و فحش خانوں کو آزادی کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔''(۵۶)

اپریل فول

عصرِ حاضر میں ''اپریل فول'' ایک تہوار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس میں دوسروں کو بے وقوف بنایا جاتا ہے اور اس مقصد کے لیے افواہیں پھیلائی جاتی ہیں اور من گھڑت خبریں اُڑائی جاتی ہیں۔ بظاہر یہ سب کچھ تفنن طبع کے لیے کیا جاتا ہے مگر اِس میں بہت سی اخلاقی قدریں پامال ہو جاتی ہیں۔

اس رسم کے آغاز کے بارے میں مندرجہ ذیل آراء پیش کی جاتی ہیں:

(۱) ۱۵۶۴ء میں فرانس میں نیا کیلنڈر جاری ہونے پر ان لوگوں کو طنز کا نشانہ بنانے کے لیے اس رسم کا آغاز ہوا جو نئے کیلنڈر کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

(۲) ''اپریل فول'' کا تعلق قدیم بُت پرستی کی تقریبات سے ہے۔

(۳) ایک رائے یہ ہے کہ یہ دِن سقوط غرناطہ کا آخری دِن ہے۔ یعنی جس دِن آخری مسلمان کو سپین سے جلاوطن کیا گیا تھا۔ اس پر اظہارِ مسرت کے طور پر عیسائیوں نے یہ دن منایا جسے بعد میں ہر سال منایا جانے لگا۔

(۴) کچھ لوگوں کے نزدیک اِس دن سورج' برج حوت سے دوسرے برج میں داخل ہوتا ہے۔ وہ اس دن کو ''حوت'' کی مناسبت سے اپریل کی مچھلی بھی کہتے ہیں۔

اپریل فول کی وجہ تسمیہ کچھ بھی ہو' اس حوالے سے جو کچھ منظرعام پر آتا ہے وہ کسی طرح درست نہیں۔ تفضیل احمد ضیغم اپریل فول کی تاریخی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۵۶۴ء میں عیسائی دنیا میں ایک نئے کیلنڈر کو متعارف کروایا گیا جس میں نیا سال جنوری سے شروع ہوتا تھا۔۔۔لیکن کچھ لوگ ایسے تھے جن تک شاید یہ اعلان پہنچ نہیں سکا تھا یا انہوں نے اُس تبدیلی پر یقین نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے سابقہ روایات کے مطابق اپریل کی پہلی تاریخ کو نیا سال منانے کا مختلف انداز سے اہتمام

Marfat.com

کیا جبکہ دیگر لوگوں نے انہیں تماشا بناتے ہوئے ان سے دل لگی کی اور انہیں (April Fools) اپریل کے بے وقوفوں کے نام سے پکارا اور ان کی جانب مختلف پیغامات بھی ارسال کیے۔اس سے یہ سلسلہ ایسا چل پڑا کہ ہر سال یکم اپریل کو لوگوں کو بے وقوف بنایا جانے لگا۔''(۵۷)

ڈاکٹر عاصم عبداللہ قریوتی تحریر کرتے ہیں:

''انگریز لوگ اپریل کے پہلے دن کو''All Fool Day''یعنی احمقوں اور پاگلوں کا دن کہتے ہیں۔اس لیے وہ اس دن ایسے ایسے جھوٹ بولتے ہیں جنہیں سننے والا سچ سمجھتا ہے اور پھر وہ اس سے استہزاء کرتے ہیں۔سب سے پہلے 'اپریل فول' کا ذکر 'Drake News Letter' میں ملتا ہے۔اخبار مذکور اپنی دو اپریل ۱۶۹۸ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ کچھ لوگوں نے یکم اپریل کو لندن ٹاور میں شیروں کے غسل کا عملی مشاہدہ کرانے کا اعلان کیا۔''(۵۸)

ڈاکٹر عاصم عبداللہ قریوتی نے اپنے مذکورہ مضمون میں بتایا ہے کہ ایک انگریزی اخبار نے ۳۱/مارچ ۱۸۴۶ء کو اعلان کیا کہ کل یعنی یکم اپریل ۱۸۴۶ء کو ایک زرعی فارم میں گدھوں کی نمائش کا اہتمام ہوگا۔لوگ وہاں جمع ہو گئے اور نمائش کا انتظار کرنے لگے لیکن جب وہ کھڑے کھڑے تھک گئے تو لوگوں سے پوچھنے لگے کہ نمائش کب شروع ہوگی' مگر انہیں کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا۔بالآخر انہیں یہ بتایا گیا کہ نمائش دیکھنے آنے والے ہی اصل میں گدھے ہیں۔

عصرِ حاضر کی رسم 'اپریل فول' کے آغاز کے بارے میں مختلف آراء میں سے کوئی بھی رائے حتمی اور مستند نہیں ہے۔تاہم یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ رسم جھوٹ بولنے کی ایک تکلیف دہ مشق ہے۔ اِس رسم کے نام پر پھیلائی جانے والی افواہوں کے نتیجے میں لوگوں کو بے وقوف بنائے جانے سے لے کر ناگہانی اموات تک واقع ہو جاتی ہیں۔لہٰذا یہ رسم عصری تہذیب وثقافت کے حوالے سے بہت تشویشناک ہے۔اِسلام جھوٹ کی شدید مذمت کرتا ہے' چنانچہ مسلمانوں کا اس قسم کی کسی رسم میں حصہ لینا غیر اسلامی حرکت کا ارتکاب ہے۔روزنامہ جنگ لاہور نے ۲/اپریل ۲۰۰۱ء کو سعودی عرب کے مفتی اعظم کے حوالے سے خبر شائع کی تھی کہ اپریل فول کافروں کا شغل اور مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔اخبار لکھتا ہے کہ:

''سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الشیخ نے فتویٰ دیا ہے کہ

Marfat.com

مسلمانوں کو اپریل فول میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ایک سعودی اخبار ''الریاض'' کے مطابق انہوں نے تسلیم کیا کہ یہ مغربی روایت مسلمانوں میں عام ہوتی جارہی ہے حالانکہ یہ کافروں کا شغل ہے۔اسلام میں یہ حرام ہے۔''(۵۹)

Valentine Day

'اپریل فول' کی طرح ایک اور تہوار جسے لوگوں میں بہت مقبولیت حاصل ہے۔ 'Valentine Day' ہے۔ یہ دن ہر سال ۱۴/فروری کو بہت شوق اور جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔عصرِ حاضر کی تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں اِسے اہم درجہ دیا جاتا ہے۔اسلامی تاریخ، تعلیمات اور تہذیب میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔اِس رسم کو جس انداز سے Celebrate کیا جاتا ہے وہ نہ صرف اسلامی روح سے متصادم ہے بلکہ دنیا کا کوئی بھی مہذب نظامِ اخلاق اُس کے جواز کی سند نہیں دیتا۔ یہ دِن کیوں منایا جاتا ہے؟اس کے بارے میں روزنامہ نوائے وقت کے مضمون نگار نے یہ واقعہ تحریر کیا کہ ''ایک رومی بادشاہ نے محسوس کیا کہ اس کی رعایا کے نوجوان فوج میں بھرتی ہونے کی بجائے اپنی بیویوں کے ساتھ وقت گزارنے کی طرف زیادہ مائل ہیں۔اس کے مشیروں نے مشورہ دیا کہ آئندہ دس سال کے لیے شادی کرنا ممنوع قرار دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے شادی کے امتناع کا حکم جاری کر دیا اور حکم کی خلاف ورزی پر سخت اور اذیت ناک سزائیں دی گئیں۔اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نکاح کی رسم ادا کرنے والوں میں ایک عیسائی☆ St.Valentine بھی شامل تھا۔قید کے دوران اُسے جیل وارڈن کی بیٹی سے محبت ہو جاتی ہے۔ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ کافی عرصہ چلا' جس دِن ویلنٹائن کو تختہ دار کی طرف لے جایا جارہا تھا تو ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔اس کی پھانسی پر عملدرآمد کے بعد اُس کی محبوبہ کو ایک خط ملا جس پر لکھا تھا۔

"From your valentine with love."(60)

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹنیکا کے مقالہ نگار کے مطابق:

"The custom has no connection with the two St. Valentine or with known incident in their lives. It is probable that the valentine was the first of all greeting cards."(61)

☆عیسائیت کی تاریخ میں سینٹ ویلنٹائن نامی دو افراد گزرے ہیں' جن کو رومی بادشاہوں نے قتل کروادیا تھا۔ ان میں سے پہلا ایک رومن پادری تھا، جسے بادشاہ 'Claudius II Gothics' کے عہد میں قتل کیا گیا۔

Marfat.com

ترجمہ: (اس تہوار کا سینٹ ویلنٹائن نامی دونوں افراد یا اُن کی زندگیوں میں پیش آنے والے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ خیال یہ ہے کہ ویلنٹائن مبارکباد کے کارڈوں میں سب سے پہلا کارڈ تھا)

انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا کے مقالہ نگار کا یہ خیال درست تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ایک دوسرے کو مبارک باد بھیجنے کے لیے جو کارڈز استعمال ہوتے ہیں، ان کا آغاز Valentine نامی کارڈ سے ہوا۔ گویا یہ پہلا کارڈ تھا، لیکن یہ کہنا کہ مذکورہ رسم یا تہوار کا Valentine نامی افراد سے کوئی تعلق نہیں، ایک توجہ طلب مسئلہ ہے۔ چونکہ اس رسم اور ان افراد کے ناموں میں ۱۰۰% مشابہت ہے لہٰذا یہ انہی میں سے کسی کے ساتھ منسوب ہے اور جہاں تک اس نام کے کارڈ کا تعلق ہے تو چونکہ St. Valentine نے مرنے سے پہلے اپنی محبوبہ کے نام محبت نامہ چھوڑا تھا اور مبارکباد بھی محبت ہی کے اظہار کا ایک انداز ہے لہٰذا یہ بہت ممکن ہے کہ وہی محبت نامہ اُسی نام سے "Greeting Card" کے طور پر استعمال ہونے لگ گیا ہو۔ نیز یہ کہ ویلنٹائن ڈے چونکہ محبت کرنے والوں کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اِس لیے یہ اُسی نام کی یاد تازہ کرتا ہے' جسے آج کل کی ثقافت کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اس موقعے پر وسیع پیمانے پر فضول خرچی بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ۶ فروری ۲۰۰۵ء کے نوائے وقت کی سروے رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر سال ویلنٹائن ڈے کے موقع پر کارڈوں' پھولوں اور چاکلیٹ کی خریداری پر ایک ارب ستائیس کروڑ ڈالر خرچ کیے جاتے ہیں۔

اسلام دینِ فطرت کی حیثیت سے اظہارِ محبت کے ایسے کسی انداز کو قبول یا پسند نہیں کرتا، جو ذہنی آوارگی اور اخلاقی بے راہروی کا آئینہ دار ہو۔ یہ رسم بھی غیر اسلامی ہے اور اس میں حصہ لینا مسلمان کو یقیناً زیب نہیں دیتا۔

بسنت، جشنِ بہاراں، میوزک کنسرٹ

موجودہ دَور میں ویلنٹائن ڈے اور اپریل فول سے بھی زیادہ جس غیر اسلامی رسم نے مسلمانوں کے ہاں پذیرائی حاصل کی ہے وہ بسنت اور جشنِ بہاراں کی تقریبات ہیں۔ اس موقعے پر جوان لڑکے اور لڑکیاں زرد لباس پہنتے ہیں، سارا سارا دن مکانوں کی اُونچی چھتوں پر مل کر پتنگ بازی کرتے ہیں، شور و غل مچاتے ہیں اور بلند آواز میں فحش گانوں کی ریکارڈنگ بجاتے ہیں۔ یہ تہوار ہر سال ۶ر فروری کو منایا جاتا ہے جس پر راتوں رات نہ صرف بے تحاشا روپیہ ضائع کر دیا جاتا ہے بلکہ جانی نقصان بھی ہوتا ہے اور اخلاق سوزی بھی۔

Marfat.com

بسنت تہوار کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ اس کا آغاز ہندوؤں نے کیا اور پھر سکھ بھی اسے منانے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ سیالکوٹ کے ایک مدرسے میں حقیقت رائے نامی ایک ہندو لڑکا زیرِ تعلیم تھا۔ اُس نے مسلمان طلبہ کے سامنے توہینِ رسالت کا اِرتکاب کیا جس پر وہ مشتعل ہو گئے۔ اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کے لیے لاہور بھیجا گیا جہاں اُس وقت زکریا خان گورنر تھا۔ عدالت نے اُسے سزائے موت کا حکم دیا اور گورنر لاہور نے ہر سفارش کو ردّ کرتے ہوئے اُس کی سزائے موت کو برقرار رکھا جس پر عمل درآمد ہوا۔ حقیقت رائے کی یادگار جو کوٹ خواجہ سعید لاہور میں ہے' وہاں کے ایک ہندو رئیس کالُو رام نے اس کی یاد میں بسنت میلے کا آغاز کیا۔ برطانوی حکومت کے دوران حقیقت رائے کی سمادھی کو باغبانپورہ لاہور میں مندر بنا دیا گیا' جہاں ہندو اور سکھ بسنتی کپڑے پہن کر یہ میلہ مناتے تھے۔

سیّد محمد لطیف نے 'تاریخ لاہور' میں لکھا ہے:

''حقیقت رائے سترہ سال کی عمر کا ایک ہندو لڑکا تھا۔ وہ حاکم لاہور نواب خان بہادر کے دَور میں ایک مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ اس کا مسلمان لڑکوں سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے لڑکوں کی طرف سے دیوتاؤں کے لیے ناشائستہ زبان استعمال کرنے کے ردِّ عمل کے طور پر جواباً اسی قسم کے کلمات کہہ ڈالے۔۔۔ حقیقت رائے اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر خلوصِ دل سے کاربند تھا۔ اس نے دین اسلام کی دعوت کو ردّ کر دیا اور پھانسی چڑھ گیا۔ ہندو اس کے مقبرے کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔۔۔ اس سمادھ پر بسنت یا بہار کا سالانہ میلہ منعقد ہوتا ہے۔''(۶۲)

لاہور شہر کی تاریخ اور تہذیب کے حوالے سے کنہیا لال کی کتاب 'تاریخ لاہور' کو زیادہ مستند مانا جاتا ہے۔ اس سے بھی حقیقت رائے سے منسوب واقع کی تصدیق ہوتی ہے۔ کنہیا لال نے مذکورہ واقع بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''حقیقت رائے نے مسلمان ہونے سے اِنکار کیا اور جانِ شیریں اپنے ملت و مذہب پر قربان کر دی۔ یعنی گردن مارا گیا۔ نعش اس کی اس مقام پر جلائی گئی جہاں اب سمادھ بنی ہوئی ہے۔ یہ سمادھ بجانب مشرق موضع کوٹ خواجہ سعید کے لاہور سے بفاصلہ دو میل مشرق کی سمت کو واقع ہے۔ مکان نہایت بزرگ و متبرک ہے شہر کے ہنود بخلوصِ دل یہاں آ کر جبین سائی کرتے ہیں۔ بسنت کے روز بڑا بہاری میلہ اِس جگہ ہوتا ہے۔''(۶۳)

Marfat.com

کنہیالال کے بیان سے مذکورہ واقع اور بسنت کے ہندووانہ تہوار ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

ہندووانہ رسم ورواج کے بارے میں ابوریحان البیرونی کی کتاب 'کتاب الہند' بھی قدیم ترین حوالوں میں سے ہے۔ اِس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ 'بسنت' ہندوتہذیب وتمدن کا آئینہ دار ہے۔اس دن کو ہندوؤں کے ہاں عید کی حیثیت حاصل رہی ہے۔(۶۴)

نذیراحمد چوہدری نے اپنی کتاب 'بسنت ـــــ لاہور کا ثقافتی تہوار' میں حقیقت رائے کا مذکورہ واقع بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''ہندوؤں کے نزدیک حقیقت رائے نے ہندودھرم اوراوتاروں کے لیے قربانی دی تھی۔ اس لیے انہوں نے اس دن گستاخِ رسول ﷺ کی یادمنانے کے لیے رنگ بکھیرا۔ پتنگ بازی کی اوراس کا نام بسنت رکھا۔ بعد میں اس مقام پر مندر تعمیر کیا گیا، جہاں اس کی موت ہندو مرد زرد رنگ کی پگڑیاں اور عورتیں زرد رنگ کی ساڑھیاں پہن کر حاضری دیتیں اور منتیں مانتی تھیں۔''(۶۵)

حقیقت رائے کی سمادھ پر بسنت منائے جانے کی تائید 'نقوش' کے لاہور نمبر سے بھی ہوتی ہے۔ مسعودنظامی اپنے مضمون 'میلے' میں لکھتے ہیں:

''سکھ حضرات گوروگوردوارہ گورو مانگٹ صاحب میں حاضر ہوکر بسنت کا میلہ مناتے تھے، اوروہاں کنکوے اڑاتے تھے۔ ہندوصاحبان حقیقت رائے کی سمادھ پر میلہ مناتے تھے۔ یہ سمادھ بھی باغبانپورہ کے قریب ہے۔ ہندواور سکھ حضرات سروں پر بسنتی (زرد) پگڑیاں باندھتے اور دیویاں زرد کپڑوں اور ساڑھیوں میں ملبوس ہوتیں۔ اِردگرد سرسوں کے کھیت ہوتے اور سرسوں کے بسنتی پھولوں کے درمیان زرد پگڑیاں اورزردسوٹ عجیب منظر پیش کرتے۔ اندرونِ شہر کوٹھوں پر نوجوانوں کی ٹولیاں کنکوے بازی میں مشغول ہوتیں اور صبح سے شام تک لاکھوں روپے کنکوے بازی پر خرچ ہوجاتے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہدِ حکومت میں بھی یہ میلہ بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ مہاراجہ اوراُس کے درباری زردلباس زیب تن کرتے اور جب ان کا جلوس قلعہ لاہور سے شالامار کی طرف روانہ ہوتا تو سرسوں کے کھیتوں کے زردزرد پھولوں کے درمیان سے اس زرد پوش جلوس کا منظر بہت دلفریب ہوتا۔''(۶۶)

گویا بسنت کے تہوار کا حقیقت رائے کی یادگار سے تعلق ہے اور بہار کے موسم میں چونکہ

Marfat.com

ایک منفرد دلکشی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اِسے موسم بہار کے ساتھ منسوب کر کے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش معلوم ہوتی ہے۔ اصل میں یہ ہندووانہ تہوار مسلمانوں کے خلاف احتجاج اور نفرت کے اظہار کے لیے شروع کیا گیا تھا۔

مسعود نظامی نے ایک انگریز لیفٹیننٹ الیگزینڈر برنیر کا بھی مفصل حوالہ نقل کیا ہے جس نے اُس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں اپنے دورۂ لاہور کے سلسلے میں بسنت کے تہوار کا خاص طور پر ذکر کیا تھا۔

بسنت کے حوالے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ تہوار حقیقت رائے کی سمادھ کے علاوہ مقبرہ مادھولال حسین پر بھی منعقد ہوتا تھا جس میں ہندو راجہ رنجیت سنگھ خاص طور پر شرکت کرتا تھا۔ تاریخ لاہور کے مصنف سیّد محمد لطیف نے لکھا ہے کہ :

''لاہور کے دو عظیم میلے جنہیں بسنت اور چراغاں کہا جاتا ہے۔ اس مزار (مقبرہ مادھولال حسین) پر منعقد ہوتے ہیں، لوگوں کو ابھی تک یاد ہے کہ اس جگہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دَور میں بسنت کی آمد پر کس قدر جشن اور خوشیاں منائی جاتی تھیں، جب عیش پسند مہاراجہ، اس کے سردار اور فوجی دستوں کے علاوہ ہر کوئی زرد پوشاک میں ملبوس ہوتا تھا۔ مہاراجہ اس خانقاہ پر حاضری کے وقت ۱۱۰۰ روپیہ نقد اور دو شالوں کا جوڑا نذرانے کے طور پر پیش کرتا تھا۔''(۶۷)

مادھولال حسین کو عام طور پر لوگ ایک ہی شخصیت سمجھتے ہیں۔ اصل میں مادھو اور لال حسین☆ دو نام ہیں۔ اِس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ باغبانپورہ لاہور کے قریب جس جگہ یہ مزار ہے۔ وہاں دو قبریں ہیں جیسا کہ سیّد لطیف نے اپنی تحقیق میں وضاحت کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک صوفی بزرگ لال حسین شہنشاہ اکبر کے دَور میں لاہور آئے۔ ازاں بعد وہ ایک مادھو نامی برہمن زادے ہندو لڑکے پر فریفتہ ہوئے اور اُس کے عشق میں کئی سال تک سرگرداں رہے جیسا کہ تحقیقاتِ چشتی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ :

''الغرض اسی طرح سولہ برس گزر گئے کہ حضرت اُس کے عشق میں بدنام اور زبان زدِ

☆ سیّد لطیف کی تحقیق کے مطابق لال حسین نامی صوفی بزرگ 1008ھ/1599ء میں فوت ہوئے اور انہیں شاہدرہ میں دفن کیا گیا بعد میں دریائے راوی کے سیلاب سے ان کی قبر بہہ گئی اور مادھو نے ان کے جسدِ خاکی کو موجودہ مقام پر منتقل کر دیا۔

Marfat.com

خاص و عام ہو گئے۔۔۔ بعد اس قدر تکلیف کشی کے حضرت کے عشق نے اس کے دل میں بھی اثر کیا۔۔۔ آخر کار مادھو ظاہراً بھی مسلمان ہو گیا اور مذہب ہندو سے مفارقت اِختیار کی۔ انہی ایام میں بحسب اتفاقات بسنت پنچھی آ گیا تو ہندوؤں نے حسبِ رسم و معمول خود عیش و عشرت شروع کی اور رقص و نشاط میں بتقریب ایام قرب ہولی مشغول ہوئے۔ جب حضرت مادھو نے ایسا دیکھا تو اس کو بھی شوق ہولی اور بسنت کا دامن گیر حال ہوا۔ تو بنازِ معشوقانہ رنگ گلال لا کر حضرت حسین پر ڈالا۔۔۔ حضرت یہ دیکھ کر حالت وجد میں آ گئے اور رقص و نشاط میں مع ہم نشیناں خود مشغول ہو گئے۔ بعدازاں ہر سال بروزِ بسنت حضرت حسین خوشی بسنت تا حین حیات فرمایا کرتے تھے۔''(۶۸)

ثابت ہوتا ہے کہ مقبرہ مادھولال حسین پر منایا جانے والا بسنت تہوار اور میلہ چراغاں ہندوؤں نے شروع کیا تھا۔ ہندوؤں کے ہاں یہ تہوار اُس سے پہلے بھی رائج تھا اور تاریخی طور پر قرینِ قیاس یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کا آغاز حقیقت رائے کی یادگار سے ہوا تھا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مادھو اور لال حسین نے خود بھی یہ تہوار منایا تو ایسا کرنا یقیناً خلافِ شریعت ہے۔ تصوف کے نام پر کسی غیر اسلامی رسم کو اپنانا اور رنگ رلیاں منانا کسی کے لیے بھی سندِ جواز قرار نہیں پاتا۔ حقیقت رائے کی سمادھی ہو یا مادھولال حسین کا مقبرہ، بسنت منانے کے لیے ہندو راجاؤں اور ان کے عوام ہی کا وہاں جانا ثابت ہے۔ لال حسین وغیرہ کا یہ عمل اگر شرعی طور پر پسندیدہ ہوتا تو حضرت علی ہجویریؒ جیسے بزرگانِ دین بھی ضرور ایسا کرتے جن کا عہدِ لاہور تقریباً وہی ہے۔

مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی☆ نے بسنت تہوار کو حقیقت رائے کی سمادھ سے منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بسنت ہندوؤں کا تہوار ہے جو حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا تھا، انہوں نے مذکورہ واقعے کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ہندوؤں نے اس گستاخِ رسول کی یاد میں اس کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے بسنت کے نام پر جشن کا اہتمام کیا۔ کیونکہ مسئلہ مسلم و غیر مسلم کے درمیان پہچان بن گیا تھا۔ اس لیے اس جشن میں ہندو اور سکھ بسنتی لباس پہن کر شریک ہوتے اور ایک گستاخِ رسول کی یاد مناتے اور اسلام کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کرتے۔ اس کے

☆ مدرس جامعہ سلفیہ، فیصل آباد

Marfat.com

بعد آہستہ آہستہ یہ سالانہ تہوار کی شکل اختیار کر گیا اور اب ہماری قوم نے اس کی حقیقت کو فراموش کر کے تفریح کے نام پر اپنے اُوپر لازم ٹھہرالیا۔''(۶۹)

تفضیل احمد ضیغم لکھتے ہیں کہ:

''قیامِ پاکستان سے قبل لاہور میں ہندو اور مسلمان اکٹھے آباد تھے اور بسنت کا آغاز بھی کوٹ خواجہ سعید لاہور سے ہی ہوا تھا۔ تاریخ لاہور پہ لکھی جانے والی معتبر کتابوں سے اِس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ بسنت خالص ہندووانہ تہوار ہے''(۷۰)

کچھ مسلمان بسنت کے تہوار کو علاقائی ثقافت قرار دیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس تہوار کو منانے سے مذہبی طور پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ سوچ درست نہیں کیونکہ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت صرف اسلامی تہذیب و ثقافت ہو سکتی ہے جس کا مذہب یعنی دین اسلام سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ بغیر سوچے سمجھے کسی بھی علاقائی ثقافتی انداز کو اختیار کرنا اسلامی روح کے منافی ہے۔

محمد عطاء اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

''یہ بات اصولی طور پر درست نہیں کہ کسی بھی علاقے کی ثقافت کا مذہب سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ برصغیر کے ہندو معاشرے میں سینکڑوں ایسی باتیں تھیں جو مسلمانوں کی تہذیب سے متصادم تھیں۔ لہٰذا مسلمانوں نے ان کو رد کر دیا۔ ہندو گائے کا پیشاب پیتے ہیں اور گوبر کھاتے ہیں' ان کے ہاں بت پرستی اُن کی ثقافت کا حصہ ہے۔ کیا مسلمانوں نے اِن باتوں کو محض علاقائی ثقافت سمجھ کر قبول کر لیا؟''(۷۱)

اسی طرح بسنت کا تہوار بھی بہت سے مفاسد کا مظہر ہے۔ غرض بسنت اور جشنِ بہاراں کے تہوار تاریخی طور پر ہندو تہذیب و ثقافت کے آئینہ دار ہیں۔ مسلمانوں کی اس قسم کے تہواروں میں دلچسپی حقائق سے غفلت کا مظہر ہے، جس کے باعث نئی نسل ذہنی بحران اور اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کے اندر اِس قسم کے ہندووانہ تہواروں کا رواج پا جانا اور ان کا اِس میں قباحت محسوس نہ کرنا اسلامیت کے منافی رجحان ہے۔

اسلام میں ایسے کسی تہوار اور تقریب کی اجازت نہیں دی جاتی جو لوگوں کے جانی و مالی اور اخلاقی نقصان پر منتج ہو۔ لہٰذا بسنت یا جشنِ بہاراں کے نام پر منایا جانے والا تہوار مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کا جزو قرار نہیں پا سکتا۔ مغربی تہذیب کی پیروی میں مسلمان معاشرے میں میوزک کنسرٹس کا رواج بھی دیکھنے میں آ رہا ہے۔ ایسی تقریبات میں رقص و موسیقی کا اہتمام ہوتا ہے اور

Marfat.com

شرکائے محفل ساغر و مینا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے فحش حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے ایسی ہر حرکت مذموم ہے۔

'وی آئی پی' کلچر

''وی آئی پی'' اگرچہ ایک مخفف ہے اور اس سے مراد "Very Important Personalities" یعنی (بہت اہم شخصیات) ہے۔ تاہم عصرِ حاضر میں ''VIP'' ایک اصطلاح کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مخفف کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔

وی آئی پی کلچر سے مراد خاص لوگوں کے لیے خاص انتظام ہے۔ خواہ اس کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے اور کسی بھی معاشرتی ادارے سے ہو۔ مثال کے طور پر VIP اگر کسی تقریب میں شرکت کرتا ہے تو اُس کے استقبال کے لیے خاص انداز کا اختیار کیا جانا' اُس کی سواری تزک و احتشام سے گزارنے کے لیے تمام راستوں کا بند کر دیا جانا' اور اُسے عام شہریوں کے مقابلے میں ہر سطح پر خصوصی مراعات کا حقدار ٹھہرانا' یہاں تک کہ اگر رائل فیملی کے افراد نے طوافِ کعبہ کرنا ہو تو عام مسلمانوں پر خانہ کعبہ کے دروازے بند کر دینا وغیرہ۔

'VIP-Culture' عصرِ حاضر کے تہذیب و تمدن میں ایک با قاعدہ جزو بن چکا ہے۔ مغرب کی نسبت مشرقی معاشرے میں اس کا رواج زیادہ ہے۔ پاکستان میں اس کلچر کے زیادہ گہرے اثرات روزمرہ زندگی میں دیکھے جا سکتے ہیں' جو اصل میں اس کلچر کے پیدا کردہ مسائل ہیں۔

روزنامہ نوائے وقت نے' اپنے ایڈیٹوریل میں پاکستان میں وی آئی پی کلچر کے روزمرہ کا معمول بننے اور اس سے پیدا شدہ صورتِ حال کے بارے میں لکھا کہ:

> ''مہذب معاشروں میں پندرہ منٹ تو کجا ایک منٹ کے لیے بھی کسی سربراہِ حکومت کے لیے ٹریفک نہیں روکی جاتی۔ صوبائی دارالحکومت لاہور میں تو یوں لگتا ہے کہ اس کی شاہراہیں حکمرانوں کی ملکیت ہیں اور سڑکیں شاہی سواری کے لیے مختص ہیں۔۔۔ روشن خیال اور ماڈریٹ ریاست کا یہ تصور نہیں ہے کہ حکمران اپنے شاہی پروٹوکول مختص کریں اور عام لوگوں کو اپنا غلام بنا کر محرومیوں کے حوالے کر دیں۔''(۷۲)

VIP کلچر کا براہِ راست تعلق معاشرے کے بااثر افراد سے ہے جس میں عام طور پر صاحبِ اقتدار اور منتخب سیاسی نمائندے سب سے پہلے زیرِ بحث آتے ہیں۔ عام شہری اگرچہ کتنا ہی

Marfat.com

باشعور ہو، نہ اس کا متحمل ہوسکتا ہے اور نہ ہی اُسے ایسا پروٹوکول مل سکتا ہے۔

''VIP'' کلچر ملک وقوم کے لیے نقصان دہ ہے۔ ایک تو اِس پر اُٹھنے والے اخراجات کا تخمینہ بہت زیادہ ہے۔ دوسرے اِس کی بدولت طبقاتی خلیج پیدا ہوتی ہے اور عوام الناس میں احساسِ کمتری جنم لیتا ہے۔ ایک طرف مراعات یافتہ طبقہ، دوسری طرف محروم المراعات، ایک طرف بغیر محنت ومشقت کے سب کچھ حاصل کرنے والے اور دوسری طرف ساری زندگی مشقت کی چکی میں پس کر بھی سکھ کا سانس نہ لینے والے۔ یقیناً یہ خلیج VIP کلچر کی پیدا کردہ ہے، جو کسی بھی قوم کی اجتماعی ترقی کی راہ میں بڑی روکاوٹ ہے۔

اسلام ایسے کلچر کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کے نزدیک حکمرانوں اور عام لوگوں میں ایسا کوئی فرق نہیں جو مسائل پیدا کرے، جس سے ترقی کا عمل اور لوگوں کے روزمرہ کے معمولات متاثر ہوں۔ افراد معاشرہ ہونے کی حیثیت سے سب لوگ برابر ہیں۔ کسی ایک طبقے کو مراعات دے کر VIP بنا دینا اور دوسروں کو دوسرے درجے کے لوگ تصور کرنا کسی طور بھی مناسب نہیں۔ کوئی VIP دوسروں کے لیے مسائل ومشکلات پیدا کیے بغیر اگر سرکاری پروٹوکول حاصل کرے تو غالباً جائز ہو سکے لیکن اگر عام شہریوں کی بدحالی اور پریشانی کی قیمت پر اس کلچر کو فروغ حاصل ہو تو یہ کسی صورت بھی روا نہیں۔

سرکاری خزانہ پوری قوم کی ملکیت ہوتا ہے۔ یہ مناسب نہیں کہ اندرونِ ملک بھی ایک خاص طبقہ اُس سے مستفید ہو اور بیرونِ ملک دوروں کی صورت میں بھی VIP's ہی قومی خزانے پر عیش کریں۔ اسلامی تاریخ میں ایسی کتنی ہی مثالیں ہیں کہ خلیفۂ وقت اپنے لیے بیت المال (سرکاری خزانہ) سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ اپنی ذاتی حیثیت میں کوئی سرکاری چیز استعمال نہیں کرتے تھے اور ان کے پروٹوکول میں راستے بند نہیں ہوتے تھے۔

غلامی اور مغربی تہذیب

انسان فطرتاً آزاد پیدا ہوا اور آزاد فضا میں رہنا پسند کرتا ہے۔ اصولی طور پر حریت سے مراد ایسی آزادی ہے جو کچھ پابندیوں کے ساتھ مشروط ہے تاکہ انسان بے راہروی سے بھی بچ جائے اور اس کی قدرتی صلاحیتیں اور انسانی حقوق بھی محفوظ رہیں۔ لیکن یہ بھی تاریخِ انسانی کا المیہ رہا ہے کہ حقوقِ انسانی کا استحصال انسان ہی کے ہاتھوں ہوتا رہا ہے۔ انسانی مزاج کے خودسر اور ظالمانہ پہلو نے لوگوں کو غلامی کے طوق پہنائے، ان کی فکر ونظر پر پہرے بٹھائے اور ان پر ہر طرح کے ظلم کو روا سمجھا۔

قدیم زمانے کی ترقی یافتہ اقوام میں غلامی کا رجحان پایا جاتا تھا اور ان میں غلاموں کی

Marfat.com

تجارت ہوتی تھی۔ یہودیت اور عیسائیت میں غلامی کا رواج تھا۔ دوسری اقوام کی نسبت یہودیوں کے ہاں غلاموں کے زیادہ حقوق تھے۔ عیسائی ملکوں میں غلام بنانے اور غلاموں کی خرید وفروخت کا پتہ چلتا ہے۔ انجیلِ مقدس میں غلام کو آزاد کرنے کا کوئی حکم نہیں ملتا۔ ہندوؤں میں غلامی بدترین شکل میں پائی جاتی تھی۔ ان میں کوئی پندرہ قسم کے غلام پائے جاتے تھے، جن کے کوئی انسانی حقوق تسلیم نہیں کیے جاتے تھے۔ ہندوؤں کے اندر پائی جانے والی طبقاتی تقسیم اور ذات پات کی رُو سے شودر غیر انسانی درجے کی مخلوق تھے جن سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا تھا اور جانوروں سے بدتر سلوک روا رکھا جاتا تھا۔

غلاموں کا انسانی مقام بحال کرنے میں دینِ اسلام نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ان کے ساتھ انسانی سلوک اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے طرزِ عمل سے غلاموں کے مظلوم طبقے کو تاریخِ انسانی میں پہلی مرتبہ تحفظ اور احترام کا احساس دلایا۔ اس کے ساتھ ساتھ غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دلائی گئی اور مختلف کفاروں کی ادائیگی میں غلام آزاد کرنے کی شق بھی رکھی گئی۔ اس ترغیب کے نتیجے میں کئی مالدار صحابہ کرامؓ نے خرید خرید کر غلام آزاد کیے اور اس طرح غلامی کے ذلت آمیز رجحان میں بتدریج کمی آتی چلی گئی۔ مغرب کو اِن باتوں کا اعتراف ہے مگر اعتراف کے باوجود مغربی دانشور یہ الزام لگاتے ہیں کہ اِسلام غلامی کے اِنسداد میں ناکام رہا ہے۔

'Grolier Academic Encyclopaedia' کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"In the East slavery was an entrenched institution long before te coming of Muhammad in the 6th century AD, and Islam did not change the situation. The koran like the Bible, failed to condemn slavery, although it advocated humane treatment to liberate a slave was considered a laudable act. Nevertheless, as war followed war, entire population were reduced to slavery."(73)

ترجمہ: (چھٹی صدی عیسوی میں محمد (ﷺ) کی آمد سے بہت پہلے، مشرق میں غلامی کا رجحان بہت شدید تھا اور اسلام نے اس صورتِ حال کو نہ بدلا۔ بائبل کی طرح قرآن بھی غلامی کی مذمت کرنے میں ناکام رہا، اگرچہ اسلام نے غلاموں کے ساتھ انسانی سلوک کی وکالت کی۔ غلام آزاد کرنے کو قابلِ تحسین عمل قرار دیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود جب جنگ ہوتی تو ساری آبادی غلامی میں جکڑ لی جاتی)

Marfat.com

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے مقالہ نگار نے بھی اس سے ملتی جلتی بات کی ہے:

"Muhammad found slavery well established in Arabia when he began to preach the new religion in the first years of the 7th century. His attitude toward it as revealed in the Quran (Koran) was similar to that of the christian churches: he did not condemn slavery but taught that slaves should be treated with humanity and that the liberation of a slave was a pious and meritorious act."(74)

ترجمہ: (محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ساتویں صدی عیسوی کے اوّلین برسوں میں جب ایک نئے مذہب کی تبلیغ شروع کی تو آپ نے عرب کے اندر غلامی کو بہت مضبوط شکل میں پایا۔ غلامی کے بارے میں قرآنی وحی کے مطابق آپ کا رویہ عیسائیت جیسا تھا۔ آپ نے غلامی کی مذمت نہ کی لیکن یہ تعلیم دی کہ غلاموں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کیا جانا چاہیے اور یہ کہ غلام آزاد کرنا ایک نیک اور قابلِ ثواب عمل ہے)

اہلِ مغرب ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ اِسلام نے غلامی کی مذمت نہیں کی اور دوسری طرف ان کا کہنا یہ ہے کہ اسلام نے غلاموں کے ساتھ اِنسانی سلوک روا رکھنے کی تلقین کی ہے اور غلام آزاد کرنے کو بہت پسندیدہ قرار دیا ہے۔ گویا مغربی فکر میں تضاد پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِسلام نے غلامی کے اِنسداد کے لیے جو کچھ کیا وہ اس سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا۔ اسلام ہی کی بدولت غلاموں کو پہلی مرتبہ انسانی حقوق ملے اور یہ فخر بھی تاریخِ اسلام ہی کا ہے کہ عرصہ دراز تک خاندانِ غلاماں برسرِ اقتدار رہا۔

غلامی اور غلامانہ ذہنیت کے خاتمے کے لیے اسلام کی حکمتِ عملی کے بارے میں محمد قطب نے لکھا ہے کہ:

"The great superiority of Islam with regard to slavery is manifest in various aspects. It aimed at freeing slaves externally as well as internally but to achieve that end it did not merely rely upon the pious wishes as Abraham Lincoln had done by issuing an order without preparing slaves mentally. This demonstrates Islam,s deep understanding of the human nature and how it employed

Marfat.com

all possible means to achive its objective. It not only liberally restored these people's liberty but also trained them so as to safeguard it and bear responsibilities flowing from it. It infused a spirit of Love and co-operation throughout the Society."(75)

مغربی دانشوروں کی مراد اگر یہ ہے کہ اسلام نے یک دم غلامی کا خاتمہ نہیں کیا، تو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کی ہر تعلیم میں حکمت اور تدریج کارفرما رہی ہے اور اگر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جنگوں میں لوگوں کو قیدی بنایا تو یہ بھی واضح بات ہے کہ ایک غلام اور جنگی قیدی میں بہت فرق ہے۔ نیز تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ وسیع تر مفادِ عامہ میں دشمن کے خلاف جنگ کی اور اِسی تناظر میں مغلوب دشمن کو قیدی بنایا لیکن اپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ جو حسنِ سلوک مسلمانوں نے روا رکھا تاریخ میں اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔ تاہم اگر مسلمانوں میں سے کسی نے اسلام کی واضح تعلیمات کے برعکس کسی کو غلام بنالیا ہو تو یہ مذموم رویہ ہے جس کا فکرِ اسلامی سے کوئی تعلق نہیں۔

غلامی کا رجحان اور رواج سراسر غیر اسلامی ہے۔ اِس کے غیر معمولی منفی اثرات کو اِنسانی معاشرہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ غیر اسلامی معاشروں میں بھی جہاں غلامی نے جنم لیا اور اپنی جڑیں مضبوط کی تھیں، اس کے خلاف ردِّ عمل پیدا ہوا اور مختلف قسم کے اِقدامات کیے جاتے رہے۔ 'Encyclopaedia Britannica' میں اِنسدادِ غلامی کے لیے کیے جانے والے اقدامات کا تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے پر انجمن اقوامِ متحدہ کے 'حقوقِ انسانی منشور' کا حوالہ دیا گیا ہے۔

"After the conclusion of world war II, when the United Nations Organization replaced the league, the question of combathing slavery in its different forms came once again to the force. The General Assembly, at its third session (1948), adopted the universal declaration of Human Rights, which in article 4 states that "No one shall be held in slavery or servitude; slavery and the slave trade shall be prohibited in all their forms."(76)

ترجمہ: (دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد جب انجمن اقوامِ متحدہ نے لیگ آف نیشنز کی جگہ لی تو مختلف شکلوں میں غلامی کے خاتمے کا سوال ایک مرتبہ پھر شد و مد سے اُٹھا۔

Marfat.com

جنرل اسمبلی نے اپنے تیسرے اجلاس (۱۹۴۸ء) میں حقوقِ انسانی کا عالمی منشور منظور کیا، جس کے آرٹیکل نمبر۴ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ''کسی کو غلام بنا کے نہیں رکھا جائے گا۔ غلامی اور غلاموں کی تجارت کی ہر شکل پر پابندی ہوگی)

غلامی کا رجحان غیر مسلم معاشروں میں پروان چڑھا اور انسدادی اقدامات و تدابیر کے باوجود اس کا خاتمہ نہ ہوسکا اور کسی نہ کسی شکل میں غلامی مغربی فکر اور تہذیب میں موجود رہی۔ غلام رکھنے کے ساتھ ساتھ غلاموں کی باقاعدہ تجارت بھی مغربی تہذیب کا حصہ رہی۔

"The English became the most important importers of slaves, although the French, the Dutch, and others also took part in the commerce, to supply their own colonies or the larger and richer spanish possessions. On the other hand, the portuguese reserved the monopoly of traffic to Brazil to their nationals." (77)

ترجمہ: (انگریز غلاموں کے سب سے اہم درآمد کنندگان بن گئے تھے۔ اگرچہ فرانسیسیوں، جرمنوں اور دیگر قوموں نے بھی اپنی نوآبادیات یا بڑے اور امیر تر ہسپانوی مقبوضات کو غلام فراہم کرنے میں کردار ادا کیا۔ دوسری طرف پُرتگالیوں نے برازیل کے شہریوں کو غلام درآمد کرنے کی اجارہ داری محفوظ رکھی)

سلطنت روما بھی تاریخ کا اہم حوالہ ہے۔ رومن قوم بڑی متمدن سمجھی جاتی تھی لیکن اُس میں بھی غلام بنانے کا رواج تھا۔ اہلِ روما جن قوموں کو فتح کرتے، انہیں اپنا غلام بنا لیتے، غلاموں کی اولاد بھی غلام سمجھی جاتی اور یوں نسل در نسل غلامی کا سلسلہ جاری رہتا۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں:

''روما کی حکومت آٹھ سو برس تک رہی اور کہا جاتا ہے کہ یہ عہدِ عتیق کی سب سے بڑی مہذب اور متمدن قوم تھی لیکن اِس کے باوجود ان کے تمدنی اصول وقواعد میں غلاموں کے لیے کچھ حقوق نہیں تھے اور انسانی زندگی کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔ زندہ رکھنے اور قتل کرنے میں آقا مختارِ کل ہوتے تھے۔''(۷۸)

طاقتور اقوام کے ہاتھوں محکوم طبقوں کے استحصال کا حال بہت دلخراش ہے اور انسانوں کی غلامی تاریخِ انسانی کا المیہ ہے۔ یورپ میں اٹھارھویں صدی کے آخر میں غلامی کے انسداد کے لیے

Marfat.com

اقدام کیا گیا اور اِس رواج اور رجحان کو قانونی طور پر ممنوع قرار دیا گیا لیکن یہ اقدام انسانی ہمدردی اور مساوات کے نکتۂ نظر سے ہٹ کر معاشی نکتۂ نظر سے تھا اور جہاں معاشی مصلحت کارفرما نہیں تھی وہاں غلامی موجود رہی۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی اور یورپی معاشروں میں اب بھی غلامی کی شکلیں پائی جاتی ہیں اور مغرب میں دوسروں کو معاشی اور سیاسی غلامی میں جکڑنے پر باقاعدہ منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔

سعید احمد اکبرآبادی نے لکھا ہے کہ:

''پھر یہ دیکھو کہ جنہوں نے قانون کے زور سے غلامی کا اِنسداد کرایا۔ انہوں نے آج کس طرح دوسری قوموں کو اپنی سیاسی غلامی کے شکنجے میں جکڑ بند کر رکھا ہے۔ ان کا اپنی محکوم قوموں کے ساتھ انتہائی مستقرانہ برتاؤ، رنگ و نسل کے فرق و امتیاز کی بناء پر بنی نوع انسان کے ایک کثیر طبقے کو اپنے برابر مدنی و شہری حقوق کا اہل نہ سمجھنا، سوشل معاملات میں ان کے ساتھ مساویانہ حیثیت سے پیش نہ آنا، طرح طرح کے قوانین کی مدد سے ان کے اعمال و افعال پر تکلیف دہ پہرے بٹھا دینا، عہدوں اور ملازمتوں کے استحقاق میں کالے اور گورے کا فرق کرنا، محکوم و مفتوح اقوام سے بیش از بیش محنت لینا اور کم سے کم انہیں معاوضہ دینا اور خود انہی غریبوں کی خون پسینہ کی پیدا کی ہوئی دولت سے عیاشی اور تن پروری کرنا، یہ سب اس بات کی دلیل ہیں کہ ان لوگوں کا دماغ اب بھی غلام بنانے کے رکیک جذبات سے خالی نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے ایک شخص، ایک شخص کی غلامی کرتا تھا اور اب ایک خاص قوم ہے جو مختلف اقوامِ عالم کو اپنی غلامی میں سمیٹ لینا چاہتی ہے۔''(۷۹)

اسلام حریت انسانی کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ قبل از اسلام، غلامی کا رواج تھا، جو اُس دَور کا باقاعدہ جزوِ معاشرت بن چکا تھا' اسلام نے اس اذیت ناک صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے تدریج کا اصول اپنایا، غلاموں کے حقوق مقرر کیے گئے۔ ان کے انسانی مقام کو بحال کیا گیا۔ غلاموں کی آزادی کے لیے ترغیبانہ تعلیمات دی گئیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے حجۃ الوداع کے تاریخی خطاب میں غلاموں کے حقوق کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ غیر مسلموں کا یہ الزام بے بنیاد ہے کہ مسلمانوں نے دوسروں کو غلام بنانے کو پسندیدہ قرار دیا، یہ الزام اسلامی تعلیمات اور تاریخِ اسلام سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

مغربی معاشرے میں جہاں اور بہت سے منفی رجحانات پائے جاتے ہیں۔ وہاں غلامی کا

Marfat.com

رجحان اب بھی اُس تہذیب کا حصہ ہے۔ مغرب طاقت کے زور پر دوسری قوموں پر تسلط جما رہا ہے اور مسلم ممالک اس کا خاص طور پر ہدف ہیں، کشمیری اور فلسطینی مسلسل سیاسی محکومی کا شکار چلے آ رہے ہیں جبکہ مسلم ملک افغانستان اور عراق ۲۱ ویں صدی میں مغربی غلامی کی تازہ ترین مثالیں ہیں۔

مغرب نے بظاہر روشن خیالی، تہذیب اور آزادی کا نعرہ بلند کیا لیکن عملی طور پر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تمیز آقا و بندہ کو ہوا دی گئی اور کمزوروں کو دبانے کی پالیسی پر عمل کیا گیا۔ ترقی پذیر اقوام اور معاشروں میں یہ رجحان اس انداز سے سامنے آیا کہ جاگیردار اور مزارع' مالک اور مزدور اور افسر و ماتحت کی شکلوں میں طبقات معرضِ وجود میں آ گئے' حاکم و محکوم اور آقا و غلام کا یہ جدید انداز عصری تہذیب میں موجود ہے جو مہذب دنیا کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

○○○

Marfat.com

عصری ثقافت ـــــ چند مزید پہلو

عرس تقریبات

دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف شخصیات کے عرس کثرت سے منائے جاتے ہیں۔ اس موقعے پر ڈھول بجائے جاتے ہیں، بھنگڑے ڈالے جاتے ہیں، مزاروں کو غسل دیے جاتے ہیں، چادریں چڑھائی جاتی ہیں اور مزاروں پر سماع کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ دیگیں پکائی جاتی ہیں، کھانے کھلائے جاتے ہیں اور دُور و نزدیک کے لوگ مزاروں پر حاضری دیتے ہیں۔ عرس کی اِن تقریبات میں اعلیٰ حکام خصوصی شرکت کرتے ہیں۔

عربی لغت کی رُو سے 'عرس' کا لفظ شادی اور خوشی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ شادی اور مرگ دو مختلف صورتیں ہیں' اس لیے یومِ وفات کو عرس قرار دینا اور مزاروں پر رنگ رلیاں منانا انتہائی نامناسب بات ہے۔ اگر بالفرض عرس کی بجائے برسی کا نام بھی دے دیا جائے تو بھی اِسلامی نکتۂ نظر سے اس کی اجازت نہیں۔

مولانا محمد عنایت اللہ وارثی لکھتے ہیں کہ:

''یہ ہندوؤں کی رسم ہے مسلمانوں کی نہیں البتہ مسلمانوں یا نومسلموں نے جہاں اور بے شمار رسوم و عادات اور زندگی کے طور طریقے ہندوؤں سے لیے ہی نہیں بلکہ اپنے آباء و اجداد کے طریقے چھوڑے ہی نہیں، یہ رسم بھی مسلمانوں میں آ گئی۔ البتہ کہیں کہیں کچھ نام تبدیل کرنے کا تکلف ضرور کیا گیا ہے مثلاً اسی تقریب کو برسی کے

Marfat.com

بجائے عرس، عرس مبارک اور عرس شریف وغیرہ نام دے دیئے اور عام بوڑھوں کی جگہ بزرگانِ دین کو رکھ لیا۔"(۸۰)

بوڑھوں کی موت پر جشن منانے کا رواج بنیادی طور پر ہندو معاشرے کی پیداوار ہے۔ ہندوؤں کے ممتاز مذہبی اور قانونی راہنما 'منو' نے ہندو معاشرے کو یہ اصول دیا تھا کہ ساٹھ سال سے زائد عمر کے لوگ تارک الدنیا ہو کر جنگلوں میں رہیں، گھریلو زندگی سے کوئی تعلق نہ رکھیں اور بھیک مانگ کر گزارہ کریں۔

ہندو معاشرے میں عورت اپنے سسر سے پردہ کرتی ہے۔ چنانچہ ساٹھ سال سے اُوپر کے وہ لوگ جو جنگلوں میں نکلنے کی بجائے گھروں میں رہتے ان کو بوجھ سمجھا جاتا اور ان کی موت پر خوشی کے اظہار کے لیے جشن منائے جاتے تھے۔ یوم وفات کی مناسبت سے ہر سال ایسا کیا جانے لگا۔

دورِ جدید کے ثقافتی خدوخال میں مختلف شخصیات کے عرس منانے کی تقریبات قابلِ ذکر ہیں جو عام طور پر کسی کے یومِ وفات کی مناسبت سے ہوتی ہیں۔ اس کا رواج برصغیر پاک و ہند میں زیادہ ہے، جسے باقاعدہ کلچر کا درجہ حاصل ہے۔ اس طرح کی رسومات غیر مسلم معاشرے، خاص طور پر ہندو معاشرے میں تو مذہبی طور پر صدیوں سے ادا کی جا رہی ہیں۔ لیکن اسلامی معاشرے میں ان کا رائج ہونا بالکل نئی بات ہے۔ اسلام میں عرس منانے کا کوئی ثبوت اور جواز نہیں پایا جاتا۔ یہ رجحان شخصیت پرستی کا مظہر ہے۔ دینِ فطرت اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا بلکہ کوئی تقریب یا تہوار منانے کے لیے اصولوں کو بنیاد بناتا ہے۔

صاحب معارف القرآن مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت یا تخت نشینی کا دِن منایا جاتا ہے اور کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح یا اور کسی عظیم تاریخی واقعہ کا جس کا حاصل اشخاص خاص کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں ہے۔ اس نے اِن تمام رسوم جاہلیت اور شخصی یادگاروں کو چھوڑ کر اصول اور مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنا دیا۔"(۸۱)

مسلمانوں کے اندر عرس منانے کا رجحان عیسائیوں سے بھی آیا۔ مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ:

"عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کی عید میلاد منائی۔ ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے رسولِ کریم ﷺ کی پیدائش پر عید میلاد النبی کے نام سے

Marfat.com

ایک عید بنا دی۔ اسی روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو عبادت سمجھ کر کرنے لگے، جس کی کوئی اصل صحابہؓ و تابعینؒ اور اسلافِ اُمت کے عمل میں نہیں ملتی۔''(۸۲)

(۱۲ ربیع الاوّل کہ جس دِن مسلمانوں کا ایک فرقہ عید میلا دمناتا ہے۔ یہ دن اصل میں پیغمبر اسلام کا یومِ وصال ہے۔ یومِ ولادت ۹ ربیع الاوّل ہے۔ اس لحاظ سے اِس دن کے منانے میں دوہری قباحت ہے)

مسلمانوں میں ''میلا دالنبی'' کی مناسبت سے تہوار منانے کا آغاز پانچویں صدی ہجری میں ہوا۔ اس سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس کا اصل اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔

عنایت اللہ وارثی لکھتے ہیں کہ:

''یاد رہے یہ جشن سب سے پہلے مسلمانوں میں ملک شاہ سلجوقی نے ۴۸۵ھ میں بغداد میں منایا ہے۔ یہ دنیا کے بادشاہوں کا سیاسی جشن تو لگتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں کی کوئی دینی تقریب ہرگز نہیں ہوسکتی۔''(۸۳)

''عید میلا دالنبی'' کا تہوار اسلامی معاشرے کی بہت بڑی بدعت ہے جو رفتہ رفتہ مسلم تہذیب کا حصہ بن چکی ہے کیونکہ اس کا قرآن وحدیث اور آثار وتعامل صحابہؓ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بدعت کے بارے میں رسول اللہؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

''من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منه فھو ردٌ''(۸۴)

ترجمہ: (جس نے ہمارے اس دِین میں کوئی ایسی نئی بات (بدعت) رائج کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے)

اس تہوار پر ہونے والے عملی مظاہرے جس طرح کے جشن کا سماں پیش کرتے ہیں وہ کسی بھی طرح اسلامی روح سے ہم آہنگ نہیں۔ قطع نظر اس کے کہ اس تہوار کی حیثیت کیا ہے؟ اس موقع پر وہ سب کچھ جسے شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے مثلاً شوروغل، رقص وموسیقی، فضول خرچی، وقت کا ضیاع وغیرہ روا سمجھا جاتا ہے۔

میلا دالنبی کے تہوار کا بے بنیاد ہونا اس اَمر سے بھی ثابت ہے کہ اس کا زیادہ چرچا صرف برصغیر اور بالخصوص پاکستان ہے۔ مولد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سمیت سعودی عرب کے کسی بھی حصے میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا اور نہ ہی دیگر اسلامی ملکوں میں ایسے کسی رجحان کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ اس

Marfat.com

طرح کے جشن کی تردید میں حضورِ اکرم ﷺ سے یہ دُعا بھی منقول ہے کہ:

"لاتجعلوا بیوتکم قبوراً ولا تجعلوا قبری عیداً وصلوا علیَّ فان صلٰوتکم تبلغنی حیث کنتم"(۸۵)

ترجمہ: (اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو جشن گاہ نہ بنانا' مجھ پر درود بھیجو تم جہاں بھی ہو درود مجھ تک پہنچتا ہے)

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے اندر تہوار اور تقریبات منانے کا معاملہ بہت غور طلب ہے اور اس پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام میں دوسری تہذیبوں کی معقول باتوں کو جاری رکھا گیا مگر دوسری اقوام کے تہوار منانا یا دِین کے نام پر خود ساختہ تہواروں کو اسلامی معاشرے میں رائج کرنا اس میں شامل نہیں ـــــ محمد عطاء اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

"تہواروں کو منانے کا معاملہ کسی بھی مذہب اور تہذیب کے لیے بنیادی فکری معاملہ ہے' یہ کسی بھی قوم کے فکری تشخص کو اُبھارتا ہے۔ اس لیے اسلام نے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کے تہوار "عیدین" ہیں۔"(۸۶)

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ اِسلام میں دوسری اقوام کے تہواروں کو مسلمانوں کے لیے جائز نہیں رکھا گیا، یہ بات اسلامی تہذیب کا با قاعدہ پہلو ہے۔ لہٰذا کسی بھی دَور کے مسلمانوں کا غیر مسلموں کی تہذیبی سرگرمیوں میں دلچسپی لینا درست نہیں۔

قبلِ از اسلام عرب میں ہر سال عکاظ کا میلہ لگتا تھا، جس میں اہلِ عرب خاص طور پر شرکت کرتے اور مشرکانہ رسومات ادا کرتے۔ مشرف با اسلام ہونے کے بعد عربوں نے اس تہوار کو ترک کر دیا جو تاریخ کے کسی دَور میں پھر نہ منایا گیا۔ ایران میں جشن نوروز ایرانی تہذیب کا سب سے بڑا تہوار تھا، ایران کی فتح کے بعد مسلمانوں نے یہ تہوار کبھی نہیں منایا۔ اسی طرح سپین میں عیسائی غالب اکثریت میں تھے، کرسمس ان کے مذہب اور تہذیب کا لازمی جزو ہے۔ مسلمانوں نے اندلس فتح کیا اور وہاں آٹھ سو برس تک اِسلامی پرچہ لہراتا رہا، مگر نہ کسی مسلمان حکمران نے ان کے تہوار کی حوصلہ افزائی کی اور نہ مسلمانوں نے اس میں کبھی شرکت کی۔ کیونکہ ہر قوم کی تہذیب ہی اس کی پہچان ہے اور مسلمانوں کی پہچان کا اصل حوالہ صرف اسلام اور اسلامی تہذیب ہے۔

سپورٹس کلچر

سپورٹس بھی عصری تہذیب و ثقافت کا لازمی حصہ ہیں اور کھیلوں کے فروغ پر خصوصی توجہ

Marfat.com

دی جاتی ہے۔مریم جمیلہ ''Islam and Modernism'' میں لکھتی ہیں کہ:

''فرد کو مرکز فکر بنانے کا دوسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اُس کی متوازن نشوونما کی طرف بھی توجہ دی جائے۔اب اس کی صحت برقرار رکھنے کے لیے کھیلوں وغیرہ کا اہتمام بھی بڑی توجہ سے کیا جاتا ہے اور دنیا بھر میں کھیلوں کے انعقاد کو فروغ مل رہا ہے۔ان کے عالمی سطح پر مقابلہ جات کروائے جارہے ہیں۔کھلاڑیوں کے لیے خطیر انعامات رکھے جاتے ہیں اور پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ ان کھیلوں کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ اور فلم لوگوں کو دِکھاتے ہیں۔''(۸۷)

مجموعی طور پر سپورٹس صحت مند رجحان کی عکاسی کرتی ہیں۔ان سے لوگوں کے اندر "Sports's man spirit" پیدا ہوتی ہے اور ترقی کے لیے مقابلے کا رجحان پروان چڑھتا ہے۔ تاہم موجودہ دَور میں مختلف کھیل جس انداز سے ترقی کررہے ہیں۔اس میں چند امور توجہ طلب ہیں۔

کھیلوں کے فروغ پر کثیر سرمایہ خرچ ہوتا ہے جس سے بڑے بڑے سپورٹس کمپلیکس، کھیل کے میدان بنائے جاتے ہیں اور کھلاڑیوں کو بھاری معاوضے اور انعامات دیئے جاتے ہیں۔جبکہ غریب اور ترقی پذیر ممالک کی معیشت اس کی متحمل نہیں ہوتی، جہاں کھیل سے پہلے ناخواندگی اور پسماندگی جیسے مسائل حل طلب ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر پاکستان کرکٹ بورڈ کے ڈائریکٹر عباس زیدی نے ایک اخباری انٹرویو میں بتایا کہ ڈومیسٹک کرکٹ کے لیے موجودہ سیزن (۲۰۰۵ء) میں ۱۳/کروڑ روپے کا بجٹ مختص کیا گیا ہے۔(۸۸)

اس کے ساتھ ساتھ کھیلوں کے حوالے سے جوئے کا بھیانک رجحان بھی جڑ پکڑ چکا ہے۔ لوگ ہار جیت کے بارے میں بھاری رقوم کی شرطیں لگاتے ہیں جو مذہبی اور اخلاقی طور پر ممنوع اور حرام کام ہے۔اِس دوڑ میں اب ذرائع ابلاغ بھی شامل ہو چکے ہیں' جو عوام سے مستقبل کا حال پوچھتے ہیں یعنی کونسی ٹیم جیتے گی یا ہارے گی اور اس پر بھاری انعامات کا اعلان کیا جاتا ہے۔اس سے ایک طرف تو لوگوں میں قبل از وقت غلط سلط اندازے لگانے کا مقابلہ شروع ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ان میں احساسِ محرومی بھی پیدا ہوتا ہے۔

کچھ کھیل پوری قوم کے وقت کے ضیاع پر منتج ہوتے ہیں، مثلاً کرکٹ میچ کم از کم ایک پورے دن اور زیادہ سے زیادہ پانچ دِنوں پر محیط ہوتا ہے۔شائقین اپنے کام ترک کر کے سٹیڈیم میں بیٹھے رہتے ہیں یا گھروں میں ٹیلی وژن پر میچ دیکھتے رہے ہیں۔اس کا منفی اثر سکول جانے والے

Marfat.com

بچوں پر بھی پڑتا ہے اور ان کی تعلیم کی نسبت کھیل میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

کچھ کھیل ایسے ہیں جن میں لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیاں بھی حصہ لیتی ہیں۔ ان میں دونوں کا لباس بھی ایک جیسا ہوتا ہے مثلاً لان ٹینس اور ٹیبل ٹینس وغیرہ میں لڑکیاں بھی نیکر شرٹ پہن کر کھیلتی ہیں جس سے لاشعوری طور پر صنفِ نازک کے حوالے سے اخلاقی ضابطہ پامال ہوتا ہے۔

سپورٹس کلچر کے سلسلے میں ایک اور بات یہ بھی ہے کہ کچھ کھیل مثلاً جانور لڑانا اور فری اسٹائل ''Wrestling'' وغیرہ سے دیکھنے والوں بالخصوص چھوٹی عمر کے لوگوں میں وحشت و بربریت کا عنصر جنم لے سکتا ہے، جو معاشرتی حوالے سے نقصان دہ ہے۔

اگر درج بالا قباحتوں کو دُور کر دیا جائے تو کھیل اور کھیل کے میدان زیادہ بہتر طور پر معاشرے میں مفید کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ثقافت کے فروغ کے لیے قائم سرکاری تنظیمیں

عصری ثقافت کو فروغ دینے کے لیے دنیا کے مختلف ممالک میں باقاعدہ تنظیمیں اور ادارے قائم ہیں جو سرکاری سطح پر وزارتِ ثقافت کے تحت ثقافتی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔

جاپان کے ایک ثقافتی مرکز برائے یونیسکو نے ان ثقافتی تنظیموں کے بارے میں ۱۹۷۷ء میں ایک ڈائریکٹری☆ شائع کی تھی جسے ''Up-dated'' شکل میں ۱۹۸۲ء میں شائع کیا گیا۔ اس میں پاکستان سمیت ایشیاء اور بحرالکاہل کے ۲۲ ملکوں کی ۳۲۸ ثقافتی تنظیموں کی تفصیلات دی گئی ہیں جن کی سرگرمیوں کا دائرہ کار درج ذیل ہے۔

"The field of activities of the organizations / institutions contained may be classified into the following categories:

a. Cultural promotion in general, as in the case of ministries of culture, cultural centres and cultural foundations.

b. Fine art, crafts; photography.

c. performing arts, including music, dance and theatrical play.

d. Communication, including radio and television broadcasting, production and utilization of audio-visual materials such as films, publishing and other areas of

☆ یہ ڈائریکٹری لوک ورثہ میوزیم لائبریری اسلام آباد میں موجود ہے۔

Marfat.com

communication and information related to cultural development and promotion.

e. Language, literature, history, cultural study.

f. Preservation and presentation of cultural heritage."(89)

اگر چہ ثقافت کے حوالے سے ثقافتی تنظیموں کا دائرہ کار بہت وسیع ہے تاہم عملی طور پر فلم، موسیقی، رقص اور ثقافتی طائفوں کے فروغ پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے، جس سے لفظ ''ثقافت'' اپنے وسیع تر مفہوم سے دُور ہو جاتا ہے اور بہت سے لوگ محض رقص وسرود کے دلدادہ ہو کے رہ جاتے ہیں، جس کے بالآخر معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے ثقافتی اداروں کی سرگرمیوں پر نظر ثانی اور ان کے دائرۂ کار میں شامل زبان وادب، ابلاغیات اور تاریخ کو فروغ دینے کی زیادہ ضرورت ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ نظریاتی سرگرمیوں اور اخلاقی حدود و قیود کو بھی ثقافتی دائرہ کار میں شامل کیا جائے۔

عصری/مغربی تہذیب کا تاریخی پس منظر

عصری تہذیب وثقافت مغربی معاشرے کی آئینہ دار ہے۔ مشرقی معاشروں خاص طور پر مسلم معاشرے میں اس کا اثر ونفوذ جہالت، مادہ پرستی اور احساس کمتری کے باعث بڑھا ہے۔ عصری ثقافت کے خدوخال کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسلامی اقدار وروایات اور تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض خودساختہ اور خواہشِ نفس کی پیروی کا نتیجہ ہیں۔

ڈاکٹر خالد علوی نے لکھا ہے کہ:

''یورپین قبائل کے مقامی رسم ورواج خالصتاً قومی اور توہماتی تھے جو مغرب کے معاشرتی مظاہر میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں کسی اعلیٰ اخلاقی قدر کی تلاش لاحاصل ہے۔ مظاہر فطرت کی پرستش اور شیطانی قوتوں سے توسل ان کے ہاں رائج تھا۔ موجود مغربی معاشرے میں بہت سی رسموں، میلوں اور تقریبات کا تعلق انہی جاہلی تصورات سے ہے۔''(۹۰)

ڈاکٹر خالد علوی نے اپنے مضمون میں مغربی تہذیب کا تجزیہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس کی بنیاد میں خاص طور پر یونانی فلسفہ، رومی قانون وسیاست، عیسائی مذہب اور یورپی قبائلی رسم ورواج

Marfat.com

کارفرما ہیں۔ جبکہ یونان اور روم مشرکانہ کلچر پر مبنی تھے جو اپنے مفاد کے لیے دوسروں کا ہر طرح سے استیصال جائز سمجھتے تھے۔

چنانچہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ مغربی اور یورپی تہذیب وثقافت سے متاثرہ معاشرے دنیا کو حقیقی اصلاح وفلاح کا پیغام دے سکیں، جو نظام خود فساد زدہ، منتشر اور زندگی کے حقائق سے دُور ہو، اُس کا معاشرے میں رائج ہونا تباہی اور زوال کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اسلامی ثقافت کے مستقبل کے حوالے سے ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ مسلمان صاحبانِ علم و دانش اور ماہرین قانون وسیاسیات اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب وثقافت کا غیر جانبداری پر مبنی ناقدانہ تقابلی جائزہ دنیا کے سامنے پیش کریں اور تاریخی دلائل وشواہد کی روشنی میں دنیا سے اپنا موَقف منوائیں۔

تہذیب ومعاشرت کی اعلیٰ قدروں کا تحفظ کسی نظامِ اخلاق کے ذریعے ہی ممکن ہے، جس کی تشکیل قوانینِ فطرت کی روشنی میں ہوئی ہو۔ مغربی تہذیب اس وصف سے عاری ہے کیونکہ اس میں مذہب اور اخلاق کو نظر انداز کیا گیا ہے جس کے باعث اخلاقی قدریں پامال ہوئیں اور تہذیب میں وسیع تر فساد برپا ہوا ـــــ ڈاکٹر خالد علوی تحریر کرتے ہیں:

> ''سترھویں صدی سے بیسویں صدی تک مغرب میں جو فلسفی پیدا ہوئے انہوں نے مابعد الطبعی احساس کے انکار، عقل اور انسانی جبلتوں کی موَثر حیثیت، مادیت، ثبوتیت، مذہب وریاست اور مادہ وروح کی ثنویت کے استحکام پر بھرپور کام کیا۔ 'ڈیکارٹ' سے لے کر 'رسل' تک 'ہیگل' سے لے کر 'مارکس' تک 'ڈارون سے لے کر فرائڈ تک' 'نیوٹن' سے لے کر 'آئن سٹائن' تک ہر ایک نے جدید تہذیب کی لادینیت اور مادیت کو مستحکم کیا۔''(۹۱)

تہذیب وثقافت کا سرچشمہ مذہب ہوتا ہے لیکن جب اس سے انحراف کیا جائے تو کلچر میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ عصرِ حاضر کے مغربی معاشرے میں کلچر کو مذہب سے برتر سمجھا جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ مذہب کو ثقافت کا ایک جزو قرار دیا جاتا ہے۔ دونوں میں تصادم کی صورت میں اہلِ مغرب کے نزدیک کلچر قابلِ ترجیح ہے۔

محمد عطاء اللہ صدیقی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''یورپ کے لوگوں کی اکثریت اب بھی عیسائیت کو اپنا مذہب قرار دیتی ہے مگر یورپی معاشرے میں بہت سے قوانین، اقدار اور سماجی ادارے ایسے ہیں جن کا وجود

Marfat.com

عیسائیت کی تعلیمات سے لگا نہیں کھاتا۔ مگر چونکہ عرصہ قدیم سے یہ اُس معاشرے میں موجود ہیں لہٰذا وہ انہیں کلچر کا حصہ سمجھتے ہوئے خیر باد کہنے کو تیار نہیں۔''(۹۲)

یورپی معاشرے کی تہذیب میں ایسی بہت سی برائیاں ہیں جو عیسائی مذہب کی تعلیمات سے متصادم ہیں اور عیسوی تعلیمات میں ان کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ مثلاً جسم فروشی، شراب نوشی اور بدکاری وغیرہ عیسائیت میں بھی اسی طرح مذموم ہیں جس طرح اسلام میں، چنانچہ انجیل مقدس میں فحاشی اور بدکاری کی مذمت میں کہا گیا ہے کہ:

''اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتا پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا o اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اُسے شہر میں پا کر اُس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اُس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اُس نے اپنے ہمسائے کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تُو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔''(۹۳)

'اغلام (ہم جنس پرستی) اور دیگر غیر فطری جنسی تعلقات کی بھی عیسوی تعلیمات میں مذمت کی گئی ہے۔ انجیل مقدس کی کتاب 'احبار' میں ہے:

''تُو مرد کے ساتھ صحبت نہ کرنا جیسے عورت سے کرتا ہے۔ یہ نہایت مکروہ کام ہے o تو اپنے کو نجس کرنے کے لیے کسی جانور سے صحبت نہ کرنا اور نہ کوئی عورت کسی جانور سے ہم صحبت ہونے کے لیے اس کے آگے کھڑی ہو کیونکہ یہ اَوندھی بات ہے۔''(۹۴)

ان تعلیمات کے باوجود عصرِ حاضر کا یورپی معاشرہ ایسی ثقافت کا آئینہ دار ہے جو مجموعی طور پر اخلاقی اور جنسی برائی سے عبارت ہے، گویا اہلِ یورپ کو جس مذہب سے تعلق کا دعویٰ ہے اُن کے عملی رویے اس سے متصادم ہیں۔ محمد عطاء اللہ صدیقی نے لکھا ہے:

''جسم فروشی عیسائیت میں بھی ویسا ہی گناہ ہے جیسا کہ اسلام میں، مگر یورپ و امریکہ میں 'Prostitution' کو ایک مستقل سماجی ادارے کی حیثیت حاصل ہے۔ وہاں کے دانشور اسے تمام تر قانونی تحفظ دینے کی وکالت کرتے ہیں۔ ایک طوائف ان کے نزدیک سوشل ورکر ہے۔ ان کے خیال میں جسم فروشی کا قدیم ہونا بذاتِ خود

Marfat.com

اس کے جواز کے لیے کافی ہے۔۔۔شراب نوشی اور بے نکاحی جنسی تعلق ان کے مذہب میں جائز نہیں ہے مگر اب ان کے کلچر کا حصہ بن چکا ہے۔۔۔ویلنٹائن ڈے کی ہر سال چرچ کی طرف سے مخالفت کی جاتی ہے اور اسے جنسی آوارگی اور بے حیائی کا فعل قرار دے کر مذمت کی جاتی ہے مگر اُس کو منانے والے ثقافت سمجھ کر مناتے ہیں۔''(۹۵)

عصرِ حاضر میں جس تہذیب وتمدن کا دور دورہ ہے اُس کی آبیاری میں 'مغربی فکر' کارفرما ہے۔ مغربی معاشرہ مذہب کی اصل تعلیمات سے دُور ہونے کے باعث وسیع تر انحراف کا شکار ہے لہٰذا وہ ترقی اور روشن خیالی کے نام پر ایسے کلچر کو فروغ دے رہا ہے جو مادہ پرستی اور اخلاقی بے راہروی کے ہر انداز سے عبارت ہے اور مغربی تہذیب دیگر معاشروں کو بھی اپنے منفی اثرات کی لپیٹ میں لے چکی ہے۔

مغرب کے تاریخی پس منظر پر نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مغربی فکر اور تہذیب و ثقافت کی بنیاد یونانی فکر و فلسفے پر رکھی گئی ہے۔۔۔ عبدالحمید صدیقی اپنی تصنیف ''انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام'' میں رقمطراز ہیں کہ:

''بیسویں صدی کی مغربی تہذیب کوئی ایسی نوعمر تہذیب نہیں ہے، جس کی پیدائش پچھلی صدیوں میں ہوئی ہو۔ دراصل اس کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ اس کا نسبی تعلق یونانی اور رومی تہذیب سے ہے۔ ان دونوں تہذیبوں نے اپنے ترکہ میں جو سیاسی نظام اور اجتماعی فلسفہ اور عقلی و عملی سرمایہ چھوڑا وہی اس کے حصہ میں آیا ہے۔ اس کے سارے رجحانات اور خصوصیات اس کو نسلاً بعد نسل منتقل ہوئے ہیں، یونانی تہذیب مغربی ذہنیت کا سب سے پہلا اور واضح نمونہ تھی۔ یہ وہ پہلا تمدن تھا جو خالص حِسّی فلسفۂ حیات کی بنیاد پر قائم ہوا اور یونانی قوم ایک مخصوص نظریۂ تمدن کے علمبردار کی حیثیت سے دنیا پر چھا گئی۔ مسلمانوں کے عروج کے ساتھ اس تمدن کو زوال آیا مگر یہ دُنیا سے نیست و نابود نہ ہوا اور اب انیسویں صدی میں یہ ایک نئے لباس میں جلوہ گر ہے۔ اس لباس کی ظاہری چمک سے دھوکا ہوتا ہے کہ یہ نیا ہے لیکن دراصل اس کا تانا بانا یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھ کا کاتا ہوا ہے۔''(۹۶)

عصرِ حاضر کی تہذیب مادیت زدہ ہے۔ انسان نے صرف مادی دنیا کو مسخر کیا، اس کے پیچھے اصل قوت کون سی کارفرما ہے، اس حوالے سے نہیں سوچا اور قدرت مطلقہ کو صحیح معنوں میں تسلیم

Marfat.com

نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی معاشرے میں مادیت پرستی حیوانیت سے قریب تر ہوگئی ہے اور عصری تہذیب کا حصہ بن کے رہ گئی ہے۔

''محمد (ﷺ) انسائیکلوپیڈیا آف سیرۃ'' کے مصنف نے لکھا ہے:

"Unfortunately, western culture borrowed the tools of gaining power over the forces of nature but failed to cross the material boundaries and recognize what was beyond matter. How ungrateful are they to the creator and lord of the universe that they have gained power for their benefit from the material kingdom of God without recognizing the authority and ownership of its Rightful Owner."(97)

ترجمہ: (بدقسمتی سے مغربی کلچر نے فطرت کی قوتوں پر اختیار حاصل کرنے کے سہارے تو مستعار لے لیے، مگر مادی حد بندیوں سے آگے جانے اور اس بات کو جاننے میں ناکام رہا کہ مادے کے پیچھے اصل طاقت کیا ہے؟ وہ لوگ کائنات کے خالق و مالک کے کس قدر ناشکرے ہیں کہ انہوں نے کائنات کے سچے مالک کی اتھارٹی اور ملکیت کو پہچانے بغیر اپنے مفاد کی خاطر اس کی مادی بادشاہت سے تصرف حاصل کیا ہے)

پرندوں کی پرواز کے اصول کے تحت انسان کا ہواؤں میں سفر کرنا اور بات ہے، اصل لمحۂ فکر یہ ہے کہ ہوائیں کس طاقت کے تابع ہیں؟ یہ کس کے حکم سے رُخ بدلتی ہیں کہ باد موافق اچانک بادِ مخالف بن جاتی ہے، جب تک اُس طاقت کو تسلیم نہیں کیا جاتا، ہواؤں میں اُڑنا محض ایک مادی رجحان رہے گا اور انسان مادیت کے خول سے باہر نہیں نکلے گا، جیسا کہ جدید معاشرے کی حالت ہے۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ''فکرِ اقبال'' میں عصرِ حاضر کی مغربی فکر اور تہذیب و تمدن کو محض ظاہری اور مادہ پرستانہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''غیب کی منکر دانش حاضر انسان کے لیے عذاب بن گئی۔ محسوسات کے ادراک کے لیے آنکھیں روشن ہوتی گئیں لیکن دردِ انسانی سے نمناک نہ ہوئیں۔ اس تہذیب کی تجلی نے آنکھوں کو خیرہ اور دل کو اندھا کر دیا۔ بجلی کے چراغوں کی روشنی کو نورِ حیات سمجھ لیا گیا۔ غیب اور غیر مرئی عالم کا منکر ہونے کی وجہ سے فرنگ اس کوشش میں پڑ گیا

Marfat.com

کہ اسی دنیا کو جنت بنایا جائے۔۔۔وہ اس سے غافل رہا کہ اس فردوس کی تعمیر میں خرابی کی مضمر صورتیں بھی اپنا پنہاں مگر مؤثر عمل کر رہی ہیں۔''(۹۸)

فرید وجدی نے اپنی تصنیف 'المرأة المسلمة'☆ میں مغربی معاشرے کی بے راہروی اور مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کو قدیم یونانی تہذیب کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ عظیم رومی سلطنت کے زوال وانحطاط میں یونان کا فکری وتہذیبی بگاڑ کارفرما تھا۔

''اہلِ روما کی طبیعتوں میں یونان کے بے دینوں اور خود ان رومانی حکیموں کی تعلیم مؤثر ہو چکی تھی جو یونانیوں کے مقلد تھے۔اسی لیے انہوں نے اپنی عورتوں کو پردہ سے آزاد کرانا شروع کیا اور یہ حالت بڑھتے بڑھتے اس درجہ تک پہنچ گئی کہ آخر کار سیاسی معاملات میں بھی عورتوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔مرد وعورت کے اس آزادانہ میل جول کی وجہ سے روما والوں میں جیسی کمینہ عادتیں اور گندہ خصلتیں پیدا ہو گئی تھیں۔۔۔جن سے ان کی ہمتیں مردہ ہو گئیں اور ارادے پست ہو گئے اور طبیعتوں میں کمینہ پن آ گیا۔۔۔اور یہ فساد اس قدر بڑھا کہ انسانیت اور اخلاق کا نام تک نہیں رہ گیا۔''(۹۹)

عصری تہذیب روحانی ومادی امتزاج سے تہی دامن ہونے کی بناء پر اس بات کو ترجیح دیتی ہے کہ دنیا میں حصول لذت وتسکین کا جو بھی انداز ہو سکتا ہے اُسے اختیار کیا جائے۔چنانچہ مادی لذتوں کے حصول کی خاطر ضابطۂ اخلاق کو بدل دیا گیا اور قوانین فطرت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو یکسر بالائے طاق رکھ دیا گیا۔روشن خیالی اور لبرل ازم کے نام سے جس تہذیب نے مغرب کے اندر قدم جمائے' اُس نے مغربی معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی کر کے رکھ دیں اور عفت وحیاداری اور رشتوں کا تقدس وہاں سے رخصت ہو گیا۔مغرب کا دانشور اور دردمند طبقہ اس حقیقت کا اعتراف کر چکا ہے۔مغربی معاشرہ جب نئی تہذیب کے تجربات کے نتائج سے بدحواس ہو گیا تو اپنی دیرینہ اسلام اور مشرق دشمنی کے تحت ان تجربات کا رُخ عالمِ اسلام کی طرف کر دیا گیا اور اب وہ تہذیب جس سے خود

☆ فرید وجدی نے یہ کتاب قاسم امین بک کی تصانیف 'المرأة' اور 'المرأة الجدیدة' کے جواب میں تحریر کی تھی جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ عورت کا دائرۂ عمل صرف تدبیر منزلی یعنی گھر کے انتظام وانصرام تک محدود ہے۔

Marfat.com

مغرب بیزار ہے، مسلمانوں کے اندر پذیرائی حاصل کر چکی ہے، جس کے فکری و عملی مظاہرے جا بجا نظر آتے ہیں۔

روشن خیالی کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ انسان کی سوچ فرسودہ خیالات اور باطل تصورات سے آزاد ہو کر قانونِ فطرت کی روشنی میں داخل ہو جائے تاکہ اِنسان، انسانیت اور حیوانیت میں تمیز کر سکے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

"Liberalism is the culmination of a development that goes back to the Hebrew Prophets, the teachings of the Pre-Socratic Philosophers, and the Sermon on the mount, from all of which there emerged a sense of the importance of human individuality, a liberation of the individual from complete subservience to the group, and a relaxation of the tight hold of custom, law and authority."(100)

ترجمہ: (لبرل ازم (روشن خیالی) اس ارتقاء کا نقطۂ عروج ہے، جس کی تاریخ بنی اسرائیل کے پیغمبروں، سقراط سے پہلے کے فلسفیوں کی تعلیمات اور پہاڑی خطاب تک پہنچتی ہے۔ اس ہر ایک میں سے نوعِ انسانی کی انفرادی حیثیت، کسی ایک گروپ کی مکمل غلامی سے فرد کی آزادی اور رسم و رواج، قانون اور اتھارٹی کی بے جا گرفت سے رہائی کی اہمیت کا احساس اُجاگر ہوا)

نشاۃِ ثانیہ سے پہلے جب یورپ مبتلائے جہالت اور تہذیب و تمدن سے عاری تھا، تو مسلمانوں نے اُسے جہالت سے نکال کر تعلیم و تہذیب سے آراستہ کیا اور اسلامی تہذیب کی روشنی نے یورپ کی فکر کو جلا بخشی، مگر وقت کے ساتھ ساتھ اہلِ یورپ نے جہاں مسلمانوں کے ساتھ احسان فراموشی کی وہاں تعلیم و تہذیب کا مفہوم بھی بدل کے رکھ دیا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ وہاں تہذیب کے نام پر عریانی، رقص اور جنسی اختلاط عام ہے اور کم عمر بچوں کو تعلیمی اداروں میں رقص اور جنسی تعلقات کی تعلیم دی جاتی ہے جس سے بچوں کے اندر جنسی جرائم کے ارتکاب کا رجحان بڑھا اور معاشرہ اخلاقی اور جنسی بے راہروی کی لپیٹ میں آ کر حیوانیت سے قریب تر ہو گیا۔

آج کے اسلامی معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ مغرب کی مادی ترقیوں سے مرعوب ہے۔ ترقی کا اصل راز معلوم کر کے اُسے اپنانے کی بجائے اُس کی ظاہری چکا چوند سے متاثر ہونا قبول کر لیا گیا۔

Marfat.com

یہ اسی خودفریبی کا اثر ہے کہ مغربی معاشرے کا رقصِ بدن، عریانی، اختلاطِ مرد وزن، مے نوشی، جنسی جرائم، اخلاقی بے راہ روی اور غیر اسلامی رسوم وتقریبات اسلامی معاشرے میں در آئے۔ مغرب نے عالمِ اسلام کے خلاف اپنے مخصوص اہداف کے حصول کی خاطر اس پر ثقافتی یلغار کی جو مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کے باعث اسلامی معاشرے میں سرایت کرتی گئی۔

ooo

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ خان، عبدالرحمٰن، منشی، دورِ جدید کے عالمگیر فتنے، ص: ۱۱۴

۲۔ عثمانی، محمد تقی، مولانا، عصرِ حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟ (مکتبہ دارالعلوم، کراچی، طبع اوّل: ۱۳۹۷ھ) ص: ۴۱۲

۳۔ ندوی، نذر الحفیظ، مغربی میڈیا اور اس کے اثرات (مجلس نشریات اسلام کراچی، ۲۰۰۱ء) ص: ۲۵۲

۴۔ اداریہ: روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور، مورخہ ۱۸/اپریل ۲۰۰۴ء

۵۔ محمد سعید، حکیم، جرمنی نامہ (مکتبہ جدید لاہور، ۱۹۶۶ء) ص: ۲۱۵۔۲۱۷

۶۔ خان، عبدالرحمٰن، منشی، دورِ جدید کے عالمگیر فتنے، ص: ۱۱۱

۷۔ عثمانی، محمد تقی، مولانا، عصرِ حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟ ص: ۴۱۳

۸۔ شمیمہ محسن، عورت قرآن کی نظر میں (البدر پبلی کیشنز لاہور، طبع اوّل: ۱۹۸۳ء) ص: ۶

۹۔ سلطان محمود، مکتوب لندن، سنڈے میگزین (نوائے وقت، لاہور، ۲۳/ مارچ ۲۰۰۳ء) ص: ۱۵

۱۰۔ عثمانی، محمد تقی، مولانا، عصرِ حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟ ص: ۴۱۱

۱۱۔ زینب یاسمین، پردہ اور اس کی حکمتیں (ماہنامہ 'ضیائے حرم لاہور، جون ۲۰۰۲ء) ص: ۶۳

۱۲۔ محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، ایمان پر باطل کا سہ جہتی حملہ اور اس کا تدارک (ادارہ منہاج القرآن لاہور، اشاعت اوّل: ۱۹۹۰ء) ص: ۲۰

۱۳۔ ایضاً // // // ص: ۵۷

۱۴۔ مودودی، پردہ (اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۶ء) ص: ۴۵

۱۵۔ ایضاً // // // ص: ۴۶، ۴۷

۱۶۔ مسلم، محمد بخش، مولانا، کتاب الاخلاق (مکتبہ میری لائبریری لاہور، ۱۹۸۷ء) ص: ۴۷۸

۱۷۔ یوسف ظفر، یہودیت (مکتبہ داستان لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۲ء) ص: ۴۴۳۔۴۴۴

18- Ahmad, Akbar, S. Discovering Islam (Routledge & Kegan Paul, London and New York, 1988) p-187.

۱۹۔ النور (۲۴) ۳۰

۲۰۔ الاحزاب (۳۳) ۳۲

Marfat.com

۲۱۔ الاحزاب (۳۳) ۳۳

۲۲۔ محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، منہاج الافکار (ادارہ منہاج القرآن لاہور، اشاعت دوم: ۱۹۹۰ء) ۳۵۵/۱

۲۳۔ مزروعی، علی احمد، اسلامی اور مغربی قدریں، اردو ترجمہ: شفیق ہاشمی سہ ماہی 'مغرب اور اسلام (انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد، اپریل/جون: ۱۹۹۸ء) ص: ۶، ۷

۲۴۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب: فی وجوہِ النکاح التی کان یتناکح بھا اھل الجاھلیۃ، حدیث نمبر: ۲۲۶۳، ص: ۲۴۹

۲۵۔ العلوان، عبداللہ الناصح، تربیۃ الاولاد فی الاسلام (دارالسلام بیروت، ۱۹۸۱ء) ص: ۲۸۰

26- MUHAMMAD QUTB, ISLAM the Misunderstood Religion, P-50.

۲۷۔ عثمانی، محمد تقی، مولانا، عصرِ حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟ ص: ۴۱۷

۲۸۔ محمد علی، شیخ، اسلام اور افکارِ نو (اسلامک بک کارپوریشن کراچی، ۱۹۸۷ء) ص: ۴۰

۲۹۔ خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریۂ حیات (شعبہ ترجمہ و تالیف کراچی یونیورسٹی کراچی) ص: ۸۲

۳۰۔ نقشبندی، ذوالفقار احمد، حافظ، انجینئر، اسلام اور مغربی معاشرہ (دارالمطالعہ حاصل پور شہر بہاولپور، س ن) ص: ۲۲

۳۱۔ ندوی، نذر الحفیظ، مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص: ۷۲

32- M. Hamid Ullah, Dr. Introduction to Islam (Sh. Muhammad Ashraf Publishers Lahore, 1968) P-157.

۳۳۔ ندوی، ابوالحسن علی، سیّد، دستورِ حیات (مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) ص: ۲۰۹

۳۴۔ محمد اکرام، شیخ، موجِ کوثر (ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، ۲۱واں ایڈیشن: ۲۰۰۰ء) ص: ۳۳۵

۳۵۔ محمد شفیع، مفتی، اسلام اور موسیقی (مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع اوّل ۱۹۸۲ء) ص: ۸۱

۳۶۔ مسلم، کتاب الفضل، باب الرحمۃ للنساء، حدیث نمبر ۵۹۱۶، ۲۵۵/۲

۳۷۔ خیراللہ، ایف۔ ایس، قاموس الکتاب (مسیحی اشاعت خانہ لاہور، ۱۹۷۷ء) ص: ۹۷۷

۳۸۔ الحسینی، الزبیدی، محمد بن محمد، سیّد، اتحاف السادۃ المتقین (المطبعۃ المیمنۃ مصر) ۵۰۱/۶

۳۹۔ الروم (۳۰) ۱۵

۴۰۔ الزخرف (۴۳) ۷۰

۴۱۔ الزبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواھر القاموس، فصل الحاء من باب الراء (منشورات دار مکتبۃ

Marfat.com

الحیاۃ بیروت لبنان، طبع اوّل: ۱۳۰۶ھ) ۱۱۸/۳

۴۲۔ بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح للغات، ص: ۱۳۳

۴۳۔ پھلواروی، محمد جعفر شاہ، اسلام اور موسیقی (ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، طبع سوم: ۱۹۹۰ء) ص: ۴۷

44- Waseem Ahmed Shah, Draft Law proposes total dance Ban, Daily DAWN, February 14,2005, P:4

۴۵۔ ندوی، نذر الحفیظ، مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص: ۶۸۔۶۹

۴۶۔ مودودی، پردہ، ص: ۶۲۔۶۳

۴۷۔ احمد سرور، ملک 'وسلیمانی' عبدالوحید، خاندانی منصوبہ بندی (مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۰ء) ص: ۱۴، ۱۵، ۱۷

۴۸۔ ایضاً // // // ص: ۲۴ تا ۳۲

۴۹۔ دریا آبادی، عبدالماجد، مولانا، تفسیر ماجدی (تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی) ۲۶۹/۲

۵۰۔ ندوی، نذر الحفیظ، مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص: ۷۳

۵۱۔ برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، یورپ پر اسلام کے احسان، ص: ۳۰۹

۵۲۔ احمد بن حجر، شیخ، تطہیر المجتمعات، ص: ۳۴۲

۵۳۔ المائدہ (۵) ۹۰

۵۴۔ غلام مرتضےٰ، ملک، ڈاکٹر، انوار القرآن، ص: ۱۵۹

۵۵۔ المائدہ (۵) ۹۱

۵۶۔ العبید، عبدالعزیز بن صالح، عداوۃ الشیطان للانسان کما جاءَت فی القرآن، ترجمہ: پروفیسر حبیب الرحمٰن خلیق (طارق اکیڈمی فیصل آباد، اشاعت اوّل: ۲۰۰۴ء) ص: ۶۶

۵۷۔ ضیغم، تفضیل احمد، غیر مسلم تہوار (مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد، ۲۰۰۳ء) ص: ۳۹۔۴۰

۵۸۔ قریوتی، عاصم عبداللہ، ڈاکٹر، اپریل فول کی تاریخی وشرعی حیثیت، ترجمہ: پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی (مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۱۹۹۷ء) ص: ۷۔۸

۵۹۔ خبر، روزنامہ 'جنگ' لاہور، مؤرخہ: ۲/اپریل ۲۰۰۱ء

۶۰۔ عبدالقدوس، ڈاکٹر، ویلنٹائن ڈے: حقیقت یا افسانہ، روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور، مؤرخہ ۱۶/فروری ۲۰۰۳ء

61- Encyclopaedia of Britannica, Article: Valentine 3, Deluxe Edition, CD-Rom 2002, P-

Marfat.com

۶۲۔محمد لطیف، سیّد، Lahore Its History, Architectural Remains & Antiquites.، مترجم: افتخار محبوب (تخلیقات لاہور، ۲۰۰۴ء) ص: ۳۲۴

۶۳۔مسعود نظامی، میلے (مضمون) لاہور نمبر، نقوش، مدیر: محمد طفیل (ادارہ فروغ اردو، لاہور، فروری ۱۹۶۲ء) ص: ۶۳۷

۶۴۔کنہیالال، تاریخِ لاہور (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور) ص: ۲۱۱

۶۵۔البیرونی، کتاب الہند، ترجمہ: سیّد اصغر علی (الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور) ص: ۲۳۸

۶۶۔نذیر احمد چوہدری، بسنت ـــــ لاہور کا ثقافتی تہوار (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور) ص: ۱۶

۶۷۔محمد لطیف سیّد، تاریخ لاہور (تخلیقات لاہور، ۲۰۰۴ء) ص: ۲۱۶

۶۸۔ چشتی، نور احمد، تحقیقات چشتی (الفیصل، ناشران وتاجران کتب لاہور، ۱۹۹۳ء) ص: ۳۲۰، ۳۲۱

۶۹۔یزدانی، فاروق الرحمٰن، مولانا، بسنت ایک تفریح یا گناہوں کی دلدل (مضمون) ماہنامہ ترجمان الحدیث فیصل آباد، اپریل ۲۰۰۲ء) ص: ۳۴

۷۰۔ ضیغم، تفضیل احمد، غیر مسلم تہوار (مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد، ۲۰۰۳ء) ص: ۱۶

۷۱۔ صدیقی، محمد عطاء اللہ، مذہب ثقافت اور تہوار (مضمون) (ماہنامہ 'محدث' لاہور، اپریل ۲۰۰۴ء) ص: ۶۴

۷۲۔اداریہ: روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور، مورخہ: ۲۲/فروری ۲۰۰۴ء

73- Grolier Academic Encyclopaedia (Grolier International USA) 17/353.

74- Encyclopaedia Britannica (The University of Chicago) 16/858.

75- MUHAMMAD QUTB, ISLAM the Misunderstood Religion P-39.

76- Encyclopaedia Britannica, 16/864.

77- Encyclopaedia Britannica, 16/861.

۷۸۔اکبر آبادی، سعید احمد، مولانا، اسلام میں غلامی کی حقیقت (مکہ بکس لاہور، ۱۹۸۲ء) ص: ۴۷

۷۹۔ایضاً // // // ص: ۲۳۶۔۲۳۷

۸۰۔وارثی، محمد عنایت اللہ، اسلامی تقریبات، ص: ۱۲۲

۸۱۔محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ۳/۳۴

۸۲۔ایضاً // // ۳/۳۵

Marfat.com

۸۳۔ وارثی، محمد عنایت اللہ، اسلامی تقریبات، ص: ۱۱۶

۸۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلح، حدیث نمبر: ۲۶۹۷) ص: ۴۴۰

۸۵۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور (دارالسلام ریاض، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) حدیث نمبر: ۲۰۴۲، ص: ۲۹۶

۸۶۔ صدیقی، محمد عطاء اللہ، مذہب، ثقافت اور تہوار (ماہنامہ 'محدث' لاہور، اپریل ۲۰۰۴ء) ص: ۶۲۔۶۳

۸۷۔ مریم جمیلہ، اسلام اینڈ ماڈرن ازم (رپن پرنٹنگ پریس لاہور، ۱۹۷۵ء) ص: ۱

۸۸۔ عباس زیدی، ڈائریکٹر: پی سی بی، اخباری انٹرویو: طارق سعید/اشرف چوہدری، سپورٹس ایڈیشن، نوائے وقت، ۲۹/جنوری ۲۰۰۵ء

89- Directory of Cultural organizations and Institutions in Asia and Pacific (Asian Cultural Centre for Unesco, Tokyo, Japan 1982) P-5.

۹۰۔ خالد علوی، ڈاکٹر، تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنج (ماہنامہ 'افکارِ معلم' لاہور، اگست ۲۰۰۴ء) ص: ۳۷

۹۱۔ ایضاً // // // ص: ۳۹

۹۲۔ صدیقی، محمد عطاء اللہ، مذہب ثقافت اور تہوار (مضمون) ایضاً، ص: ۶۰

۹۳۔ استثناء (۲۲) ۲۲۔۲۴، کتاب مقدس (پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۰۳ء) ص: ۱۸۷

۹۴۔ احبار (۱۸) ۲۲۔۲۳، کتاب مقدس، ص: ۱۱۲

۹۵۔ صدیقی، محمد عطاء اللہ، مذہب ثقافت اور تہوار (مضمون) ایضاً، ص: ۶۰

۹۶۔ صدیقی، عبدالحمید، انسانیت کی تعمیرِ نو اور اسلام (اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، ۱۹۷۶ء) ص: ۱۶

97- Afzal Ur Rahman, Encyclopaedia of Seerah (The Muslims Schools Trust MUHAMMAD London, 1981) 1/257.

۹۸۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، ص: ۲۱۳

۹۹۔ فرید وجدی، آفندی، المرأۃ المسلمہ، ترجمہ: مولانا ابوالکلام آزاد (طارق اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۳۹۹ھ) ص: ۹۷

100-Encyclopaedia Britannica, 10 / 846.

Marfat.com

تصورِ تہذیب

(عصری اور اسلامی نکتۂ نظر)

ڈاکٹر عمر حیات

Marfat.com